

روزہ دار کا اجر

”ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

① آدمی کا ہر عمل دس گنا سے سات سو گنا تک بڑھا دیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (یہ اصول) روزے کے علاوہ (ہے) کیوں کہ روزہ میرے لیے ہے اور میں خود اس کا بدلہ دوں گا۔

② روزہ دار خواہش نفس اور کھانا میری وجہ سے چھوڑتا ہے۔

③ روزہ دار کو دو خوشیاں نصیب ہوتی ہیں، ایک خوشی افطار کے وقت اور دوسری خوشی اپنے رب سے ملاقات کے وقت ہوگی۔

④..... روزہ دار کے مونہہ کی بواللہ تعالیٰ کی جناب میں کستوری کی مہک سے زیادہ پاکیزہ ہے۔

⑤ روزہ ڈھال ہے، جب تم میں سے کوئی روزہ دار ہو تو وہ بدگوئی نہ کرے اور چیخ و پکار نہ کرے۔ اگر کوئی شخص روزہ دار سے گالی گلوچ کرے یا لڑائی پر اتر آئے تو روزہ دار کہے، میں روزہ سے ہوں۔“ [متفق علیہ]

دین کے بنیادی اصول ۳۳

اصول نمبر 31:..... وَالسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ لِلْإِمَّةِ وَأَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ الْبَرِّ وَالْفَاجِرِ ، وَمَنْ وَلِيَ الْخِلَافَةَ ، وَاجْتَمَعَ النَّاسُ عَلَيْهِ وَرَضُوا بِهِ ، وَمَنْ عَلَيْهِمُ بِالسَّيْفِ حَتَّى صَارَ خَلِيفَةً وَسُمِّيَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ۔
 ”ائمہ کرام اور امیر المؤمنین کی بات سننا اور ان کی اطاعت کرنا خواہ نیک ہوں یا گناہگار، واجب ہے۔ اسی طرح جو خلافت کا ذمہ دار بنے پھر لوگ اس پر اتفاق کر لیں اور راضی ہوں، نیز جو تلوار کے ذریعے ان پر غلبہ حاصل کر کے خلیفہ بن جائے اور اسے امیر المؤمنین کہا جانے لگے (کی بات سننا اور اطاعت کرنا خواہ نیک ہوں یا گناہگار واجب ہے۔)“

اصول نمبر 32:..... وَالْغَزْوُ مَاضٍ مَعَ الْأُمَرَاءِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ (الْبَرِّ وَالْفَاجِرِ) لَا يُتْرَكُ۔
 ”امراء خواہ نیک ہوں یا گناہگار، کے ساتھ مل کر قیامت تک جنگ جاری رہے گی، یہ جنگ چھوڑی نہ جائے۔“
 اصول نمبر 33:..... وَفُسْمَةُ الْفَيْءِ، وَإِقَامَةُ الْحُدُودِ إِلَى الْإِمَّةِ مَاضٍ، لَيْسَ لِأَحَدٍ أَنْ يَطْعَنَ عَلَيْهِمْ، وَلَا يَنْزِعَهُمْ۔
 ”ہیشہ کے لیے مال نے کی تقسیم اور حدود کا نفاذ آئمہ کے ذمہ رہے گا، کسی کو جائز نہیں کہ کوئی ان پر نکتہ چینی کرے اور نہ کوئی ان سے (یہ منصب) چھینے۔“

اصول نمبر 34:..... وَدَفْعُ الصَّدَقَاتِ إِلَيْهِمْ جَائِزَةٌ نَافِذَةٌ، مَنْ دَفَعَهَا إِلَيْهِمْ أَجْزَأَتْ عَنْهُ بَرًّا كَانَ أَوْ فَاجِرًا۔
 ”انہیں صدقات (زکوٰۃ وغیرہ) دینا جائز ہے اور ادا ہو جائیں گے، جس نے انہیں یہ صدقات دیے اس کی طرف سے ادا ہو جائیں گے، خواہ حاکم نیک ہوں یا گناہگار۔“

اصول نمبر 35:..... وَصَلَاةُ الْجُمُعَةِ خُلْفَةٌ، وَخَلْفٌ مَنْ وَلَّاهُ، جَائِزَةٌ بِاقِيَّةِ تَامَّةٍ رَكْعَتَيْنِ، مَنْ أَعَادَهُمَا فَهُوَ مُبْتَدِعٌ، تَارِكٌ لِلْأَثَارِ مُخَالَفٌ لِلسُّنَّةِ لَيْسَ لَهُ مِنْ فَضْلِ الْجُمُعَةِ شَيْءٌ، إِذَا لَمْ يَرَ الصَّلَاةَ خَلْفَ الْإِمَّةِ۔ مَنْ كَانُوا بِرَّهِمْ وَفَاجِرِهِمْ، فَالسُّنَّةُ بَأَنْ يُصَلِّيَ مَعَهُمْ رَكْعَتَيْنِ وَيَدِينُ بِأَنَّهَا تَامَّةٌ، لَا يَكُنْ فِي صَدْرِكَ مِنْ ذَلِكَ شَكٌّ۔

”ایسے حکمرانوں کے پیچھے اور جسے انہوں نے مقرر کیا ہو جمعہ کی نماز جائز ہے، باقی رہے گی اور دو رکعت ہی مکمل ہے، جس نے انہیں دہرایا وہ بدعتی ہوگا، اس نے احادیث کو چھوڑا اور سنت کا مخالف ہے، اسے جمعہ کی فضیلت سے کچھ بھی حاصل نہ ہوگا کیوں کہ اس نے آئمہ کے پیچھے نماز کو کوئی حیثیت نہ دی، خواہ وہ (حکمران) نیک تھے یا گناہگار۔ سنت یہی ہے کہ ان حکام کے ساتھ دو رکعت نماز ادا کرے اور عقیدہ رکھے کہ یہ نماز مکمل ہے، آپ کے دل میں کسی قسم کا شبہ نہ ہو۔“

فہرست

	روزہ دار کا اجر	جواہر پارے
	دین کے بنیادی اصول (۳۳)	کلمہ طیبہ
2	جھوٹ اور سچ	اداریہ
4	تفسیر سورۃ ق (۶)	درس قرآن
7	توفیق الباری	درس حدیث
19	روزہ فرضیت، مقاصد، افادیت	احکام و مسائل
17	بیس رکعت تراویح (۳) آخری	تحقیق و تنقید
23	اعتکاف اور لیلۃ القدر	احکام و مسائل
27	بچوں کو قرآن کریم کی عربی زبان کیسے سکھائیں؟	درس و تدریس
35	دوسرا رخ	شعر و ادب
	(ترجمہ: ابو بکر ظفر)	
	(ملک عصمت اللہ)	
	(مولانا ارشاد الحق اثری)	
	(حافظ محمد اشرف سعید)	
	(فضیلۃ الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی)	
	(عبدالرزاق ساجد)	
	(عبدالرشید عراقی)	
	(محمد بشیر پرنسپل)	
	(پروفیسر عبداللہ شاہین)	

جھوٹ اور سچ؟

ملک عصمت اللہ

اداریہ

پاکستان میں کہیں بجلی کا بحران ہے تو کہیں پانی کا۔ کہیں آٹے کا بحران ہے تو کہیں چینی کا۔ کہیں غذا کا بحران ہے تو کہیں گرانی کا۔ کہیں عدالتی بحران ہے تو کہیں سیاسی۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان بحرانوں کی آماجگاہ بن کر رہ گیا ہے۔ کیا کبھی کسی کے دل و دماغ میں جنبش ہوئی یا کسی نے زحمت گوارا کی ہے کہ وہ کھلے دل اور کھلے دماغ کے ساتھ ان بحرانوں کے اصل اور بنیادی اسباب جاننے کی کوشش کرے۔

کوئی لاکھ تو جیہات کرتا پھرے لیکن ہماری نظر میں اس کے بنیادی اسباب میں سے عقیدے کی کمزوری، عمل کی کوتاہی، دیانت کا فقدان نیتوں کی خرابی..... خصوصاً حکمرانوں میں..... خود اعتمادی سے محرومی اور انفرادی و اجتماعی اخلاقیات کا زوال ہیں جس کی کوکھ سے آئے روز نئے نئے بحران جنم لے رہے ہیں اور لیتے رہیں گے۔ جب تک قوم اور قائدین مل کر ان اسباب کی اصلاح کرنے اور ان کو دور کرنے کی کوشش نہیں کریں گے اور اپنا قبلہ درست نہیں کریں گے۔

اسلام کی اخلاقی تعلیمات میں جو اہمیت رزق حلال کے حصول کو حاصل ہے شاید کسی اور کو نہیں۔ رزق حلال کے بغیر نہ کوئی عبادت اللہ تعالیٰ کے ہاں شرف قبولیت حاصل کر پاتی ہے نہ کسی دعا کی بارگاہ الہی میں شنوائی ہوتی ہے۔ لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ ہم میں حلال و حرام کی تمیز باقی نہیں رہی۔ کوئی نہیں سوچتا کہ وہ جو لقمہ بیوی بچوں کے منہ میں ڈال رہا ہے وہ کیسا ہے؟ ڈاکہ، چوری، اور راہ زنی عام ہو چکی ہے۔ کسی بھی بے گناہ انسان کی راہ چلتے کسی گلی کی ٹکڑ پر کھڑے اسلحہ برداروں سے ملاقات ہو جاتی ہے اور وہ جان سے مار دینے کی دھمکی دے کر سب کچھ چھین لیتے ہیں۔ سود، جوئے اور رشوت کا چلن معاشرے میں عام ہو چکا ہے۔ رشوت ستانی تو اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ پہلے ناجائز کام کرنے کے عوض رشوت طلب کی جاتی تھی اب یہ حال ہے کہ کوئی جائز کام بھی رشوت کے بغیر نہیں ہو پاتا۔ یوں ہر سال قوم کا اربوں روپیہ رشوت کے دوزخ کی نذر ہو جاتا ہے۔ سرکاری اور بین الاقوامی سودوں میں کمیشن کھانا اپنا حق سمجھا جاتا ہے چاہے قوم کا اس میں کروڑوں روپے کا نقصان ہی کیوں نہ ہو جائے۔

اگر اس صورت حال کی تہ میں اتر کر دیکھیں تو اس کے پیچھے راتوں رات امیر بننے کا جنون اور ہوس زر کا ناپاک جذبہ شامل ہوتا ہے۔ اس وقت ملک میں بجلی کا بحران جاری ہے۔ شہروں اور دیہاتوں میں گھنٹوں لوڈ شیڈنگ کی جاتی ہے کہ لوگ احتجاج پر مجبور ہو گئے ہیں۔ اگر اس بحران کا تجزیہ کیا جائے تو اس کے پیچھے یہی جنون اور ہوس زر کا جذبہ کارفرما ہے۔ آئی پیز کے ساتھ بجلی کی سپلائی کے لیے اچھے خاصے معاہدے چل رہے تھے۔ بجلی کی نہ تو کمی تھی نہ لوڈ شیڈنگ کا وجود تھا۔ آئی پیز کو ادا نیگیاں بند کر دی گئیں اور ان کی جگہ ریٹیل پاور پلانٹس کی درآمد کا منصوبہ بنایا گیا تا کہ اپنا کمیشن کھرا ہو لیکن ریٹیل پاور آئے بھی اور بجلی کا بحران پھر بھی ختم نہ ہو سکا۔

براہو اس ہوس کا کہ انسان جوں جوں بوڑھا ہوتا ہے اس کی حرص جوان ہوتی جاتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: دو بھوکے بھیڑیے بکریوں کے ریوڑ پر چھوڑ دیئے جائیں تو وہ اتنا نقصان نہیں کر پائیں گے جتنا مال و جاہ کی حرص انسان کے دین کو خراب کرتی ہے۔

اگر قوم حرص اور ہوس زر کے دلدل سے نجات پالے اور اکل حلال کی روش کو اختیار کر لے تو تمام بحران چشم زدن میں حل ہو سکتے ہیں۔ سٹریٹ جرائم کا خاتمہ ہو جائے گا، سود جو اور رشوت ختم ہو جائیں گے اور ملک ترقی کی منزلیں طے کرنے لگے گا۔

پانی کے بحران کو لیتے یہ سراسر ہمارے حکمرانوں کی اپنے ملک پر ”عنایات و نوازشات“ کا نتیجہ ہے۔ جب تک بھارت پاکستانی دریاؤں پر بگبیاہ جیسے ڈیم تعمیر کرتا رہا ہم خاموش تماشائی کھڑے بھارت کا منہ نہ کھٹکتے رہے۔ جب بھارت ڈیم مکمل کر چکا تو شور اور وایلا مچانا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ عالمی عدالت انصاف کا دروازہ کھٹکانے پر بھی کچھ نہ بنا۔ بھارت جب دریاؤں کا پانی اپنے ڈیموں کے ذریعے روک چکا تو پاکستان میں پانی کی قلت کے مسئلے نے سراٹھایا اور ہر صوبہ دوسرے کا حق مار کر اپنے لیے زیادہ سے زیادہ پانی حاصل کرنے میں کوشاں رہا۔ یہاں بھی اسلامی تعلیمات سے روگردانی ہی پانی کے بحران کا سبب بنی۔

آٹے کے بحران کے ذمہ دار سابقہ حکومت کے وزیراعظم شوکت عزیز ہیں جنہوں نے ملک میں فاضل گندم ہونے کی جھوٹی رپورٹیں تیار کر کے گندم ایکسپورٹ کر دی اور پھر ستم یہ کیا کہ ملکی ضرورت کی گندم بھی اپنی کمپنی کے ہاتھ فروخت کر دی۔ جب ملک میں قلت خوراک کے مسئلے نے سراٹھایا تو وہی گندم مہنگے داموں خرید کر درآمد کی۔ اس سے عوام کی جیبوں سے روپیہ نکل نکل کر جناب شوکت عزیز کی تجوری میں جمع ہوتا رہا۔ یہاں بھی ہوس زر کا ہی کریہہ جذبہ تھا۔

چینی کا بحران پیدا ہوا تو اس میں چینی چور مافیا کا ہاتھ تھا۔ جو ایک طرف ملوں کا مالک بھی ہے اور دوسری طرف اقتدار کے ایوانوں پر قابض بھی۔ ان کی مہربانیوں سے مغبوط جمہوریت جنرل ضیاء الحق کے دور میں ۱۰ روپے کلو ملنے والی چینی جمہوری حکومتوں نے ۴۰/ تک پہنچائی اب وہی ۲۰ روپے والی چینی ۵ روپے کلو مل رہی ہے۔ حکومت اس مافیا کے سامنے اتنی بے بس نظر آئی کہ ان کا کچھ نہ بگاڑ سکی۔ تاہم اس کے پس پردہ بھی وہی عوامل کا رفر مار ہے جو دوسرے بحرانوں کے تھے یعنی ہوس زر۔

عدلیہ کے بحران نے بھی اس لیے جنم لیا کہ ہم عدل و انصاف برداشت کرنے کو تیار نہیں ہوتے۔ مشرف نے عدلیہ پر بھرپور وار اس لیے کیا کہ اسے اپنے خلاف عدلیہ کا فیصلہ قبول نہ تھا۔ جناب زرداری صاحب نے بھی عدلیہ کے احکام کو اب تک تسلیم نہ کر کے انہیں غیر مؤثر بنا رکھا ہے۔ ہم بحیثیت قوم ظلم کرنے اور ظلم سہنے کے عادی بن چکے ہیں، اس لیے عدل و انصاف پر مبنی کوئی فیصلہ پسند نہیں آتا۔

سیاسی بحران عموماً وعدوں اور معاہدوں کی خلاف ورزیوں کی کوکھ سے جنم لیتے ہیں۔ ہمارے حکمرانوں کا یہ نظریہ ہے کہ وعدے اور معاہدے قرآن وحدیث نہیں ہوتے لہذا ان سے جب چاہو کر جاؤ اور جب چاہو انہیں توڑ مروڑ کر دی کی ٹوکری میں پھینک دو۔ ماضی میں میثاق جمہوریت پر دستخط کر کے اس پر عمل نہ کرنا بھی سیاسی بحران کا ایک سبب تھا اور حالیہ سیاسی بحران بھی فلڈ ریلیف کمیشن کے قیام پر اتفاق کر کے پھر اس سے گریز پائی ہی کا نتیجہ ہے۔ اخبارات سے مترشح یہ ہوتا ہے اس کمیشن کے قیام کی راہ میں جناب صدر حائل ہو گئے ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ سیلاب کے متاثرین کو امداد جیالوں کے ذریعے دی جائے تاکہ ہر جیالا ”سسی پلیجو“ بن سکے۔

ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ موجودہ حکومت کی مقبولیت کا گراف بڑی تیزی سے نیچے آ رہا ہے۔ ہماری نظر اس کا سبب حکومت کا مسلسل جھوٹ بولنا نہیں ہو سکتا؟ جب کہ حدیث واضح ہے کہ الصدق ینجی والکذب یرہلک۔

حال ہی میں صدر کولنڈن میں جس ناگوار سلوک کا نشانہ بنا پڑا۔ اس کا سرکاری بھونپو کا نرہ اور سیاسی بانسری فوزیہ وہاب تک واقعہ سے انکار کرتے رہے اور باجماعت جھوٹ بولتے رہے۔ لیکن بعد میں انہیں اس کو تسلیم کرتے ہی بنی۔ یہ تو سب جانتے ہیں کہ جھوٹ اتفاق کی علامت ہے۔ سچ بولنا انسان کے عزت و وقار میں اضافہ کا سبب بنتا ہے اور جس سے معاملات زندگی میں ساکھ بڑھتی ہے لیکن اس کے برعکس جھوٹ انسان کو بے اعتبار بناتا ہے اور اس کی ذلت و رسوائی کا سبب بھی بنتا ہے ان سب بحرانوں کے پیچھے بھی بس وہی ایک سبب جھانک رہا ہے یعنی اسلامی تعلیمات سے روگردانی۔

ہم قوم اور قائدین کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ اس پر غور و فکر سے کام لے اور ملک کو بحرانوں سے محفوظ رکھنے کے لیے اسلامی تعلیمات پر عمل کریں۔

رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَ هَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا .

تفسیر سورہ ق

مولانا ارشاد الحق اثری رحمہ اللہ

ایمان لے آئے تھے؟ ہرگز نہیں، تو یہ محض اہل مکہ کا عذر لنگ اور بہانہ بازی ہے۔

سورہ ص میں یہی بات یوں فرمائی گئی ہے:
﴿وَعَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ وَقَالَ الْكُفَرُؤْنَ هَذَا سَاحِرٌ كَذَّابٌ﴾ [ص: ۴]
”انہیں اس بات پر تعجب ہوا کہ ایک ڈرانے والا خود انہی میں سے آگیا اور کافر کہنے لگے یہ ساحر ہے بہت جھوٹا ہے۔“
یہی بات قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کے بارے میں کہی:
﴿أَوَلْقَى الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ أَشِرٌ﴾

[القمر: ۲۵]

”کیا ہمارے درمیان یہی ایک رہ گیا تھا جس پر اللہ کا ذکر نازل کیا گیا ہے، بلکہ یہ تو جھوٹا اور بر خود غلط ہے۔“
اسی نوعیت کی بات کفار رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بھی کہتے کہ اسی یتیم کے گھر قرآن نازل ہونا تھا، یہ مکہ اور طائف کے کسی بڑے آدمی پر نازل کیوں نہیں ہوا۔ [الزخرف: ۳۱]
یا ”الحق“ سے یہاں مراد قرآن مجید ہے کہ جب ان کے پاس یہ کتاب مبین آئی تو انہوں نے اس پر غور و تدبر کرنے کی بجائے اسے جھوٹا قرار دیا، اس کے منزل من اللہ ہونے کا انکار ان کی ضد کا نتیجہ تھا، اگر یہ کسی انسان کا کلام ہوتا تو خود عرب اپنی تمام تر ادبی فن ترانیوں کے اس کی نظیر لانے سے عاجز نہ رہتے، اگر وہ اس پر غور و فکر کرتے تو جنات کی طرح وہ بھی تسلیم کرتے کہ

﴿إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا أُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَى مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ

﴿بَلْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ فَهُمْ فِي أَمْرٍ مَرِيجٍ﴾ [ق: ۵]

”بلکہ ان کے پاس جس وقت حق آیا اسی وقت انہوں نے اسے جھٹلادیا۔ پس وہ تو صریح تذبذب کا شکار ہیں۔“
اس آیت میں ان کی شاعت اور بدبختی کو کھول کر بیان کر دیا گیا ہے کہ منکرین نے رسول اللہ ﷺ کے تشریف لانے پر تعجب کا اظہار ہی نہیں کیا، بلکہ آگے بڑھ کر ان کی تکذیب کی اور بلا تامل انہیں معاذ اللہ جھوٹا قرار دیا، جن کے بارے میں یہ آج تک متفق رہے کہ محمد ﷺ سے بڑھ کر کوئی سچا نہیں، جنہیں یہ صادق و امین کہہ کر پکارتے تھے۔ مگر جو ہی انہوں نے حق و سچ پر مبنی دعوت دی، تو انہوں نے غور و فکر کرنے اور اسے تسلیم کرنے کی بجائے فی الفور کہہ دیا کہ محمد ﷺ جھوٹا ہے اور جھوٹ کہتا ہے۔ معاذ اللہ

”حق“ سے مراد یہاں رسول اللہ ﷺ ہیں۔ یعنی رسول کی اسی تکذیب کا ذکر کرتے ہوئے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا کہ منکرین پر ان کی سیاہ کاریوں کی وجہ سے دنیا میں مواخذہ ہو تو وہ کہیں گے، کہ اگر ہماری راہنمائی کے لیے رسول آتا تو ہم اس کی دعوت قبول کر لیتے، مگر

﴿فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا لَوْ لَا أُوْتِيَ مَثَلُ مَا أُوْتِيَ مُوسَى﴾ [القصص: ۴۸]

”جب ان کے پاس حق، یعنی محمد رسول اللہ ﷺ ہماری طرف سے آئے، تو وہ کہنے لگے، کہ انہیں ایسے معجزات کیوں نہیں دیئے گئے جیسے موسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے؟“

لیکن کیا موسیٰ علیہ السلام کے ان معجزات کو دیکھ کر منکرین موسیٰ علیہ السلام پر

”اس نے کھاری اور شیریں دو دریا جاری کیے کہ آپس میں باہم مل جاتے ہیں۔“

یہاں بھی مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں وہ کوئی فیصلہ کن رائے نہیں رکھتے، بلکہ آپ کے بارے میں مختلف ہیں اور تضاد کا شکار ہیں، کبھی آپ کو شاعر کہتے ہیں، کبھی کاہن قرار دیتے ہیں، کبھی مجنون کہتے ہیں، تو کبھی ساحر کہتے ہیں، بلکہ کبھی کہتے ہیں کہ ان پر کسی نے جادو کر دیا ہے، کبھی کہتے ہیں کہ اس کے پس پردہ کوئی اور ہے جو اسے یہ کلام بنا سنوار کر دیتا ہے، کبھی کہتے ہیں کہ بشر نبی نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ بھی کہتے ہیں کہ مکہ اور طائف کے کسی بڑے سردار کو نبی بنایا ہوتا، گویا یہ آپ کے بارے میں ایسی ذہنی الجھن میں پھنسے ہوئے ہیں، جس سے ان کا نکلنا بہت مشکل ہے۔

اگر ”الحق“ سے مراد قرآن مجید ہے تو اس کے بارے میں بھی وہ الجھن کا شکار تھے۔ کبھی اسے ”سحر مبین“ سے تعبیر کرتے تو کبھی اسے ”قول شاعر“ قرار دیتے اور کبھی اسے ”قول کاہن“ کہتے تھے۔

امام رازی رحمہ اللہ نے اس کی بجائے فرمایا ہے کہ یہ مذکورہ آیات ان کی مختلف آراء کے متعلق ہیں کہ اَنَّهُمْ شَكُّوا فِيكَ، بَلْ عَجِبُوا بَلْ كَذَّبُوا ”انہوں نے آپ کے بارے میں شک کا اظہار کیا، بلکہ اس پر تعجب کا اظہار کیا، بلکہ اس کی تکذیب کی۔“

یوں ان کی گویا تین حیثیتیں یا تین درجے تھے۔ پہلا شک، اس کے اوپر تعجب کہ شک میں ازالہ اور تمہین کی توقع ہوتی ہے، جبکہ تعجب میں دراصل عدم وقوع کا تصور ہوتا ہے، اور اس کے واقع ہونے پر انسان متعجب ہوتا ہے۔ مگر تکذیب میں عدم وقوع کا یقین ہوتا ہے، اس لیے اسے ختماً جھٹلا دیتا ہے۔ پہلا درجہ شاکین کا، دوسرا ظانین کا اور تیسرا جازمین کا۔ ان کے اسی تردد کو ﴿مَرِيحٌ﴾ سے تعبیر کیا گیا۔

بلکہ یہ بات تو بدیہی اور روز روشن کی طرح واضح ہے کہ جو قرآن مجید اور حال قرآن کی تکذیب کرتے ہیں وہ ہمیشہ تضاد فکری میں مبتلا رہتے ہیں۔ اور انہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ

﴿اِنَّكُمْ لَفِي قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ﴾ [الذاریات: ۸]

يَذِيهْ يَهْدِيْ اِلَى الْحَقِّ ﴿[الاحقاف: ۳۰]

”ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل کی گئی ہے، اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔ اور حق کی رہنمائی کرتی ہے۔“

مگر انہوں نے تو اس کتاب مبین پر کان دھرنے کی بجائے یہ روش اختیار کی کہ

﴿لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالنَّوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَعْلَبُوْنَ﴾

[حم السجدة: ۲۶]

”اس قرآن کو ہرگز نہ سنو اور جب پڑھا جائے تو اس میں خلل ڈالو شاید کہ اس طرح تم غالب آ جاؤ۔“

اس لیے ان کی یہ تکذیب دونوں پہلوؤں پر تھی۔

”الحق“ سے یہاں بعض حضرات نے قیامت مراد لی ہے، مگر ﴿لَمَّا جَاءَهُمْ﴾ کا لفظ اس بات کا قرینہ ہے کہ یہاں قیامت مراد نہیں، بلکہ رسول یا قرآن مراد ہے، اور قیامت جب آئے گی تو وہ کہیں گے:

﴿هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ﴾

”کہ یہ ہے جس کا رحمن نے وعدہ کیا تھا اور سچ فرمایا تھا انبیاء نے۔“ [یس: ۵۲]

سیاق کلام کے اعتبار سے پہلی بات ہی رائج معلوم ہوتی ہے۔ اور اس کا سورہ ص میں بھی ذکر ہے کہ یہاں مراد رسول اللہ ﷺ کی تکذیب ہے۔

﴿فَهُمْ فِيْ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ﴾ سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے کہ وہ اس معاملے میں بڑے تذبذب اور انتشار کا شکار ہیں۔

﴿مَرِيْجٍ﴾ کے معنی خلط ملط، گڈمڈ کرنے اور ملادینے کے ہیں۔ اسی سے المروج ہے۔ جس کے معنی اختلاط اور مل جانے کے ہیں۔ عرب کہتے ہیں: مَرَجَ اَمْرُهُمْ کہ ان کا معاملہ ملتبس ہو گیا۔ سورہ الرحمن میں ہے:

﴿مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ﴾ [الرحمن: ۱۹]

”تمہاری بات ایک دوسرے سے مختلف ہے۔“

مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے:

”کہ تم لوگ بھانت بھانت کی بولیاں بول رہے ہو اور ہر ایک کی بات دوسرے سے مختلف ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ دنیا ازلی وابدی ہے اور کوئی قیامت پانہیں ہوگی، کوئی کہتا ہے کہ یہ نظام حادث ہے اور ایک وقت میں یہ جا کر ختم بھی ہو سکتا ہے، مگر انسان سمیت جو چیز بھی فنا ہوگی پھر اس کا اعادہ ممکن نہیں ہے۔ کوئی اعادے کو ممکن مانتا ہے، مگر اس کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان اپنے اعمال کے اچھے اور برے نتائج بھگتنے کے لیے بار بار اسی دنیا میں جنم لیتا ہے۔ کوئی جنت اور جہنم کا بھی قائل ہے، مگر اس کے ساتھ تخاص کو بھی ملاتا ہے، یعنی اس کا خیال یہ ہے کہ گناہ گار جہنم میں بھی سزا بھگتتا ہے اور پھر اس دنیا میں بھی سزا پانے کے لیے جنم لیتا رہتا ہے۔

کوئی کہتا ہے کہ دنیا کی زندگی خود ایک عذاب ہے، جب انسان کے نفس کو مادی زندگی سے لگاؤ باقی رہتا ہے اس وقت تک وہ اس دنیا میں مکر کر پھر جنم لیتا رہتا ہے اور اس کی حقیقی نجات یہ ہے کہ وہ بالکل فنا ہو جائے۔

کوئی آخرت اور جنت و جہنم کا قائل ہے، مگر کہتا ہے کہ خدا نے اپنے اکلوتے بیٹے کو صلیب پر موت دے کر انسان کے ازلی گناہ کا کفارہ کر دیا ہے، اور اس بیٹے پر ایمان لا کر آدمی اپنے اعمال بد کے برے نتائج سے بچ جائے گا۔ پھر کچھ دوسرے لوگ آخرت اور جزا و سزا، ہر چیز کو مان کر بعض ایسے بزرگوں کو شفع تجویز کر لیتے جو اللہ کے ایسے پیارے ہیں، یا اللہ کے ہاں ایسا زور رکھتے ہیں کہ جو ان کا دامن گرفتہ ہو وہ دنیا میں سب کچھ کر کے بھی سزا سے بچ سکتا ہے۔ ان بزرگ ہستیوں کے بارے میں بھی اس عقیدے کے ماننے والوں میں اتفاق نہیں ہے، بلکہ ہر ایک گروہ نے اپنے الگ الگ شفع بنا رکھے ہیں۔ یہ اختلاف اقوال خود ہی اس امر کا ثبوت ہے کہ وہی و رسالت سے بے نیاز ہو کر انسان نے اپنے اور اس دنیا کے انجام پر جب بھی کوئی رائے قائم کی ہے، علم کے بغیر قائم کی ہے، ورنہ اگر انسان کے پاس اس معاملہ میں فی الواقع براہ راست علم کا کوئی

ذریعہ ہوتا تو اتنے مختلف اور متضاد عقیدے پیدا نہ کرتا۔“

[تفہیم، ج: ۵، ص: ۱۳۵]

یہ اختلاف انسان اور دنیا کے انجام کے بارے میں ہی نہیں، دنیا میں زندگی گزارنے اور اس کے طریقہ کار میں بھی اختلاف ہے۔ اگر کوئی نظام سرمایہ داری کا قائل ہے تو کوئی سوشلزم کا دم بھرتا ہے۔ کوئی جمہوریت کا نام لیوا ہے تو کوئی ڈکٹیٹر شپ کا خواہاں ہے۔ کوئی وطن پرستی کا داعی ہے تو کوئی قوم اور رنگ و نسل کا گرویدہ ہے۔ گویا یہ سب امر مریج اور قول مختلف کا شکار ہے۔ اور کل حزب بما لدیہم فرحون کا مصداق ہیں۔ مگر ایک مومن صادق اور وحی و رسالت کو صحیح معنوں میں تسلیم کرنے والا ایمان و یقین کی زندگی گزارتا ہے۔ اس کے معتقدات میں تردد اور تعدد کا کوئی تصور نہیں ہے۔ وہ ایک ہی صراطِ مستقیم کو اختیار کرتا ہے اور اسی پر گامزن رہتا ہے۔



ضرورت اساتذہ

دارالعلوم تقویۃ الاسلام (مدرسہ غزنویہ) شیش محل روڈ لاہور کو ابتدائی اور آخری جماعتوں میں وفاق کا نصاب پڑھانے کے لیے اساتذہ کی ضرورت ہے۔ تنخواہ معقول دی جائے گی۔ جس کا تعین تجربہ اور صلاحیتوں کا جائزہ لینے کے بعد کیا جائے گا۔

[رابطہ: ناظم دفتر دارالعلوم تقویۃ الاسلام، شیش محل روڈ لاہور]

فون: 0322-4064025 / 042-37112045

تبلیغی کانفرنس

7 ستمبر بروز منگل بعد نماز تراویح جامع مسجد اقصی اہل حدیث کوٹ حاجی سلیمان نزد عادل پھانک تحصیل پتوکی ضلع قصور میں قرآن و صاحب قرآن کانفرنس منعقد ہوگی۔

حافظ عثمان شاکر صاحب، قاری نیاز الرحمن صدیقی خطاب کریں گے۔ [عبدالمنان ربانی: 0301-4039518]

توفیق الباری

”الادب المفرد“ للبخاری کا اردو ترجمہ مع تشریحات و فوائد

از حضرت نواب سید صدیق حسن خان صاحب رحمہ اللہ
تسہیل: حافظ محمد اشرف سعید (نیوکول ٹالا مارباغ۔ لاہور)

هذا الأمر شرٌّ لى فى دینى، ومعاشى، وعاقبة امرى — أو قال: عاجل امرى — وأجله، فاصرفه عنى واصبر فنى عنه، وأقذر لى الخیر حیث كان، ثم رضىنى، ویسمى حاجته .)) [صحیح البخاری]

”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہم کو پیش آنے والے امور کے سلسلہ میں استخارہ اس طرح سکھاتے تھے جیسے قرآن کی سورت سکھاتے تھے۔ آپ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص کوئی کام کرنے کا ارادہ کرے تو دو رکعت نماز پڑھے اور اس کے بعد کہے اے اللہ میں تیرے علم کے ذریعے تجھ سے خیر طلب کرتا ہوں، تیری قدرت کے ذریعے چاہتا ہوں میں تیرے فضل عظیم کا سوال کرتا ہوں تو قادر قدر ہے میں قدرت نہیں رکھتا۔ تو جانتا ہے علام الغیوب ہے میں نہیں جانتا۔ تو غیوب کو جاننے والا ہے اے اللہ! اگر تیرے علم میں میرے لیے یہ کام میری دنیا اور آخرت کے لیے بہتر ہے تو اس کو میرے لیے مقدر فرما اگر تو جانتا ہے یہ کام میری دنیا اور آخرت کے لیے بہتر نہیں ہے تو اس کو مجھ سے اور مجھ کو اس سے دور رکھ اور میرے لیے خیر مقدر فرما جہاں کہیں بھی ہو پھر مجھے اس پر راضی کر دے اور اپنی ضرورت کا نام لے۔“

فائدہ: بیان استخارہ کتاب الداء والدواء میں تفصیل وار لکھا گیا ہے لیکن یہ سنت صحیحہ ایک مدت دراز جیسے کہ اسلام غریب ہو گیا ہے گویا مر گیا ہے غیر اللہ سے استعانت واستعاذہ تو کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ سے استخارہ نہیں کرتے۔

٧٢٣. عن ابن عباس یقول: کان النبی ﷺ یقول عند الکرب: ((لا إله إلا الله رب العرش العظیم، لا إله إلا الله رب السموات ورب الأرض ورب العرش الکرم، اللهم اصرف شره.)) [صحیح]

”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ بے چینی کے وقت یہ دعا بھی کیا کرتے تھے اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں جو عظمت والا حلیم ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو عرش عظیم کا رب ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور رب ہے عرش عظیم کا۔ اے اللہ! اے الہ العالمین ہم سے شر کو دور فرما۔“

باب: الدعاء عند الاستخارة

باب دعائے استخارہ

٧٢٤. عن جابر قال: قال النبی ﷺ: ((إِذَا هُمْ بِالْأَمْرِ فَلْيَرْكَعْ رَكَعَتَيْنِ ثُمَّ يَقُولُ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ، وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ، وَأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيمِ، فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ، وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ، اللَّهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الْأَمْرَ خَيْرٌ لِي فِي دِينِي، وَمَعَاشِي، وَعَاقِبَةِ أُمْرِي — أَوْ قَالَ: فِي عَاجِلِ أَمْرِي — وَأَجَلِهِ، فَاقْدِرْهُ لِي، وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ

نام سے اس سے دعا کی جائے تو وہ قبول فرماتا ہے۔“
فائدہ: لفظ یا حی یا قیوم اسم اعظم ہے نزدیک اکثر اہل علم کے اور اکثر کے نزدیک مبہم ہے اور اطلاق اعظمیت کا بطور صفت ہے نہ تعین۔
واللہ اعلم

۷۲۷. عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: قَالَ أَبُو بَكْرٍ
لِلنَّبِيِّ ﷺ: عَلِّمْنِي دُعَاءً أَدْعُو بِهِ فِي صَلَاتِي
قَالَ: ((قُلْ: اللَّهُمَّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْمًا
كَثِيرًا، وَلَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ، فَاعْفُرْ لِي مِنْ
عِنْدِكَ مَغْفِرَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ.))

”عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی مجھے کوئی ایسی دعا سکھائیے جو میں اپنی نماز کے دوران مانگا کروں۔ تو آپ نے فرمایا یہ کہا کرو، اے اللہ! میں نے اپنی جان پر بہت ظلم کیا ہے اور گناہوں کو تیرے سوا کوئی اور معاف نہیں کر سکتا لہذا تو مجھے بخش دے اپنے پاس سے میری مغفرت فرما بے شک تو معاف کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔“

فائدہ: حضرت محمد ﷺ کی دعوات ماثورہ میں نظر کرنے سے صاف صدق رسالت حضرت ثابت ہوتا ہے یہ کلمات دلائل نبوت ہیں سوا پیغمبر کے کسی بشر کا کلام اس قسم کا نہیں ہو سکتا ہے۔ تو ربیت و انجیل و زبور کو دیکھو کہ باوجود اس کے کہ کلام الہی ہے ان میں جو مضامین ادعیہ اور زبان رسل و انبیاء سے قرآن میں منقول ہیں وہ ہر چند بجائے خود نہایت خوب و مرغوب ہیں۔ لیکن ان جو مع کلم و محاسن معانی و بلاغت میانی و تطور عبارات و تلون اشارات و استقرار خیر دارین و استیفاء مقاصد کونین اور استیعاب و جمع مرادات نوع بشر کو نہیں پہنچتے۔ پس اگر صدور ایسی دعوات کا مقدور و بشر ہے تو کسی اور بشر سے کیوں نہیں ایسے کلمات طیبات صادر ہو سکتے ہیں۔



۷۲۵. عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ يَقُولُ: دَعَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي هَذَا الْمَسْجِدِ، مَسْجِدِ الْفَتْحِ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَيَوْمَ الثَّلَاثَاءِ وَيَوْمَ الْأَرْبَعَاءِ، فَاسْتَجِبَ لَهُ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ مِنْ يَوْمِ الْأَرْبَعَاءِ، قَالَ جَابِرٌ: وَلَمْ يَنْزِلْ بِى أَمْرٌ مِنْهُمْ غَائِظٌ إِلَّا تَوَحَّيْتُ تِلْكَ السَّاعَةَ، فَدَعَوْتُ اللَّهَ فِيهِ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ يَوْمَ الْأَرْبَعَاءِ فِي تِلْكَ السَّاعَةِ إِلَّا عَرَفْتُ الْإِجَابَةَ.

”جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس مسجد، مسجد الفتح میں پیر کے دن اور منگل کے دن اور بدھ کے دن دعا کی آپ کی دعا بدھ کے دن دو نمازوں کے درمیانی وقت میں مقبول ہوئی۔ جابر کہتے ہیں کہ جب کبھی مجھ کو کوئی شدید کام پیش آیا تو میں اس وقت کو متعین کر کے بدھ کے دن دو نمازوں کے درمیان دعا کی اور میں نے دیکھا کہ دعا قبول ہو گئی۔“

فائدہ: گویا وہ ساعت دن چہار شنبہ کی مسجد الفتح میں محل اجابت ہے۔
وللہ الحمد

۷۲۶. ”عَنْ أَنَسٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَدَعَا رَجُلٌ فَقَالَ: يَا بَدِيعَ السَّمَوَاتِ، يَا حَيُّ، يَا قَيُّوْمُ إِنِّى أَسْأَلُكَ، فَقَالَ: ((أَتَدْرُونَ بِمَا دَعَا؟ وَالَّذِى نَفْسِى بِيَدِهِ، دَعَا اللَّهَ بِاسْمِهِ الَّذِى إِذَا دُعِيَ بِهِ أَجَابَ.))

”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا ایک آدمی نے دعا کی اور کہا اے آسمانوں کو بے مثال پیدا کرنے والے یا حی یا قیوم میں تجھ سے سوال کرتا ہوں آپ نے فرمایا تم جانتے ہو کہ اس نے کیا دعا کی ہے؟ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس نے وہ تمام نام لے کر اللہ سے دعا کی ہے جب اس

روزہ

فرضیت • مقاصد • افادیت

فضیلۃ الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی

روزہ کی لغوی و اصطلاحی تعریف:

عربی لغت میں روزہ کو ”الصوم“ کہتے ہیں جو باب صام، یصوم و صیاما سے مصدر ہے۔ صوم کا لغوی معنی ”امساک“ یعنی کسی چیز سے رک جانا ہے، اس معنی کی لفظ صوم سے مناسبت یہ ہے کہ صائم یعنی روزہ دار، ایک مخصوص وقت کے لیے کھانے، پینے اور جماع وغیرہ سے رک جاتا ہے۔

اصطلاح شریعت میں صوم کی تعریف اس طرح کی جاسکتی ہے:

الامساک عن المفطرات مع اقترائه النية من طلوع الفجر الى غروب الشمس. [تفسیر

قرطبی: ۱/ ۶۵۰، فتح البیان فی مقاصد القرآن: ۱/ ۳۶۲]

”یعنی طلوع فجر سے لے کر غروب آفتاب تک تمام مفطرات سے اس طرح رک جانا کہ (مکمل روزے میں) نیت شامل حال رہے۔“

تعریف کی وضاحت:

طلوع فجر سے مراد فجر ثانی ہے، جسے صبح صادق کہتے ہیں۔ اس وقت افق سماوی پر صبح کا نور پھوٹتا ہے اور نمودار ہوتا ہے۔

مفطرات سے مراد وہ تمام چیزیں جو روزہ توڑنے کا سبب بنتی ہیں: مثلاً کھانا پینا، یا بیوی سے صحبت کرنا وغیرہ۔ چنانچہ روزہ کی حالت میں ان تمام چیزوں سے باز رہنا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ گناہوں کے ارتکاب سے بھی بچنا ضروری ہے کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

من لم يدع قول الزور والعمل به فليس لله

حاجة في أن يدع طعامه وشرابه .

”جو شخص روزہ کی حالت میں قول زور یا عمل زور سے باز نہیں آتا تو اللہ تعالیٰ کو اس کے بھوکا اور پیاسا رہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“

یہ نکتہ عظیم مفسر امام قرطبی رحمہ اللہ نے بیان فرمایا ہے:

”قول زور سے مراد ہر وہ بات مراد ہے جو شریعت کے خلاف ہے۔

مثلاً: جھوٹ، غیبت، چغلی اور بہتان طرازی وغیرہ۔ جب کہ عمل زور سے ہر وہ فعل مراد ہے جو شریعت کے خلاف ہو اس میں تمام صغیرہ و کبیرہ گناہ شامل ہیں۔

نیت فعل قلب ہے اور روزے کی حالت میں نیت کے شامل ہونے سے مراد یہ ہے کہ

①..... روزے دار کو معلوم ہو کہ وہ روزے سے ہے۔

②..... یہ عقیدہ بھی اسے معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کا فریضہ ہے، یعنی اس کا ترک طعام و شراب وغیرہ اللہ تعالیٰ کے امر اور فریضہ کی بنا پر ہو محض ڈانٹنگ وغیرہ کی نیت نہ ہو۔ نہ ہی یہ نیت ہو کہ علاقے یا محلے یا گھر میں سب روزہ رکھتے ہیں لہذا میں بھی رکھ ہی لوں، اگر نہ رکھا تو لوگ کیا کہیں گے وغیرہ؟

③..... یہ بھی نیت ہو کہ روزہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔

④..... اور یہ نیت بھی ہو کہ اس کا اجر صرف اللہ تعالیٰ سے مطلوب ہے۔ آخر الذکر دونوں نیتوں کا شامل حال ہونے کا اس حدیث قدسی سے اشارہ ملتا ہے:

الصوم لي وأنا أجزى به . [رواه البخاری من

حدیث ابوہریرہ]

یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”روزہ میرے لیے ہے اور اس کی جزاء بھی میں ہی دوں گا۔“

نیز رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

من صام رمضان ایمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه . [متفق علیہ]

”جو شخص ایمان کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ سے اجر لینے کی نیت سے روزہ رکھے گا اس کے سابقہ تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔“

واضح ہو کہ اس حدیث میں ”ایمانا“ کی شرط بڑی معنی خیز اور قابل غور ہے۔ اس شرط کا تقاضا یہ ہے کہ روزہ کی صحت و قبولیت کے لیے ایمان کی سلامتی ضروری ہے۔ اسی لیے قولہ تعالیٰ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ﴾

[البقرة: ۱۸۳]

میں فرضیت روزہ کے تعلق سے اہل ایمان ہی مخاطب ہیں۔ لہذا ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ﴾ تک پہنچنے سے پہلے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ کی منزل طے کرنا ضروری ٹھہرا۔ اب شریعت اسلامیہ میں کسی بھی شخص کو اس وقت تک ایمان کی صحت و سلامتی حاصل نہیں ہو سکتی جب تک مندرجہ ذیل چھ امور کے متعلق اس کا علم و عقیدہ درست نہ ہو۔ درست ہونے کا معنی یہ کہ کتاب و سنت کے عین مطابق ہو۔ یہ چھ امور حدیث جبریل میں مذکور ہیں:

الایمان أن تؤمن بالله وملائكته وكتبه ورسله واليوم الآخر والقدر خيره وشره .

”یعنی ایمان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، قیامت کے دن اور تقدیر، خواہ اچھی ہو یا بری پر ایمان لے آؤ۔“

ان امور ایمان میں پہلا امر ایمان باللہ ہے اور ایمان باللہ کا سب سے بنیادی نکتہ عقیدہ توحید ہے۔ بلکہ ہمارا دین، دین توحید ہے اور اگر

کسی بندے کی توحید میں خلل ہو چاہے ایک ذرہ کی مقدار میں کیوں نہ ہو تو کیا اس کا ایمان باللہ درست ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ مثال کے طور پر ایک شخص کسی بھی غیر اللہ (نبی، ولی، فرشتہ یا جن) کے حق میں کسی ایک چیز کے خالق، مالک یا مختار و متصرف ہونے کا عقیدہ رکھتا ہو تو اس کی توحید ٹوٹ جائے گی۔ نتیجتاً ایمان باللہ میں خلل آ جائے گا، اس کے تمام روزے بلکہ اعمال بے کار ہو جائیں گے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا اہل فیصلہ ہے:

﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ﴾ [الاعراف: ۵۴]

”خبردار! کائنات کی ہر چیز کی خلق اور ہر خلق پر امر و اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔“

اسی طرح اگر کوئی شخص کسی بھی نوع عبادت (مثلاً سجدہ، طواف، قربانی، نذر و نیاز وغیرہ) کسی غیر اللہ کے لیے روا رکھتا ہو یا عملاً انجام دیتا ہو تو اس کی توحید ٹوٹ جائے گی۔ نتیجتاً ایمان باللہ مفقود ہو جائے گا، روزہ جیسی عبادت جس کی قبولیت کے لیے ایمان کی صحت شرط ہے، بے کار ہو جائے گی، کیوں کہ عبادت تو صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور یہ مسئلہ مدارِ دین اور اصل ایمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالدِّينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ [البقرة: ۲۱]

اللہ تعالیٰ نے اپنا پہلا امر جاری کرتے ہوئے فرمایا: ”اے لوگو! تم صرف اپنے پروردگار کی عبادت کرو جو تمہارا اور تم سے پہلے سب کا خالق ہے تاکہ تم (اعمال کی بربادی اور جہنم کے عذاب سے) بچ سکو۔“

اسی طرح اگر ایک شخص اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کے تعلق سے کسی الحاد کا شکار ہو جائے، مثلاً: اللہ تعالیٰ کی صفت کا انکار کر دے، یا اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کے بارے میں مخلوق سے تشبیہ کا مرتکب بن جائے، یا اللہ تعالیٰ کی کسی صفت میں مرضی کی تاویل کر بیٹھے یا اللہ تعالیٰ کی کسی صفت، مثلاً: روزی دینا، غیب کا جاننا وغیرہ کو، کسی مخلوق میں تسلیم کرے تو اس کی توحید ٹوٹ جائے گی۔ نتیجتاً روزہ (جس کی قبولیت ایمان کی صحت کے

ساتھ مشروط ہے) بے کار ہو گیا۔ شرک کی اس تباہ کاری کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کا عمومی فرمان ہے:

﴿وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾

[الزمر: ۶۵]

”اور تحقیق آپ کی طرف اور آپ (ﷺ) سے قبل ہر نبی کی طرف یہ وحی کی گئی کہ اگر تم نے شرک کر لیا تو تمہارے تمام اعمال برباد ہو جائیں گے۔“

امور ایمان میں ایک اہم امر، ایمان بالرسول ہے، رسولوں کی بعثت میں پنہاں سب سے اہم نکتہ کیا ہے؟ وہی جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾

[النساء: ۶۴]

”ہم نے آپ سے قبل جتنے بھی رسول مبعوث فرمائے، صرف اس لیے کہ اللہ کے حکم سے ان کی اطاعت کی جائے۔“

سلسلہ انبیاء و رسل کے خاتم، امام کائنات محمد رسول اللہ ﷺ ہیں جن کے اس انتہائی حکم و مودکد حق کو قرآن حکیم نے بار بار دہرایا، بلکہ آپ ﷺ کی اطاعت کو ہدایت کی اساسی شرط قرار دیا:

﴿وَأَنْ تَطِيعُوهُ تَهْتَدُوا﴾ [النور: ۵۴]

ایک مقام پر آپ ﷺ کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت قرار دیا (اصل توحید اور اصل دین اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔) چنانچہ فرمایا:

﴿مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ [النساء: ۸۰]

”اور جو رسول کی اطاعت کرے گا (رسول اللہ ﷺ کی) وہی درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر رہا ہے۔“

اب ایمان بالرسول کا اولین تقاضا یہی ہے کہ تمام امور دین میں آپ ﷺ کی اطاعت کی جائے اور آپ ﷺ کے قول و عمل پر کسی کی بات کو مقدم کرنا تو بہت بڑی جسارت ہے اسے کسی حیثیت کے قابل ہی نہ سمجھا جائے۔ لیکن اگر کوئی شخص ایمان بالرسول کے تعلق سے منہج حق و اعتدال جو قرآن و حدیث نے پیش کیا ہے، سے منحرف ہو کر کسی غلو

و تقصیر یا افراط و تفریط کا شکار ہو جائے تو اس کا ایمان ٹوٹ جائے گا۔ مثلاً (عشق؟) کرنے پہ آئے تو آپ ﷺ کا مقام اللہ تعالیٰ سے بھی اونچا کر دے، اور کوتاہی و تقصیر کی سوجھے تو آپ ﷺ کا مقام اس قدر گھٹا دے کہ آپ ﷺ کے فرمان عالی یا سنت مطہرہ کو ٹھوکر مارتے ہوئے اس کے مقابل اپنے اماموں، پیروں یا مولویوں کے فتویٰ کو سینے سے لگا لے، محرک کیا ہے؟ صرف گروہی یا مسلکی تعصب۔ لا حول ولا قوۃ

الا باللہ

کیا ایسے شخص کی ایمان کی سلامتی برقرار رہ سکتی ہے؟ اس کا روزہ قابل قبول و باعث اجر ہو سکتا ہے؟ یہاں تو ”ایمان“ کی اساس فراہم کرنا ضروری ہے جو اس کے مذکورہ کردار کی وجہ سے مفقود ہے۔ یہاں بھی اللہ تعالیٰ کے ایک عمومی فرمان کو ملاحظہ کرتے جائیے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُطِيعُوا أَهْلَ الْبَيْتِ﴾ [محمد: ۳۳]

”اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول اللہ (ﷺ) کی اور مت برباد کرو اپنی نیکیوں کو۔“

روزہ کا حکم:

روزہ فرض ہے اور اس کی فرضیت کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع امت سے ثابت ہے۔

کتاب اللہ سے دلیل:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى

الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ [البقرة: ۱۸۳]

”اے ایمان والو! تم پر روزے رکھنا فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔“

یہاں ”کتب“ بمعنی فرض ہے۔ [محاسن التاویل للقاسمی: ۳/ ۴۱۴]

۴۱۴، الباب فی علوم الکتاب لأبی حفص الدمشقی: ۳/ ۲۵۰

نیز اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اس کی فرضیت پر دال ہے:

﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ [البقرة: ۱۸۵]

”تم میں سے جو شخص اس مہینہ کو پائے اسے روزہ رکھنا چاہیے۔“

”لیصم“ لام امر کی وجہ سے صیغہ امر بن چکا ہے اور امر کا اصل معنی وجوب ہے جو روزے کے فرض ہونے کی دلیل ہے۔

احادیث سے دلیل:

عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ ﷺ: ”بنی الاسلام علی خمس شهادة أن لا اله الا الله وأن محمدا رسول الله وإقام الصلاة وإيتاء الزكاة وصيام رمضان وحج البيت.“

یہ حدیث اسلام کے بنیادی ارکان پر مشتمل ہے۔ ان ارکان میں سے ایک بنیادی رکن روزہ بھی ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے یہ الفاظ منقول ہیں:

”إذا رأيتم الهلال فصوموا.....“

یعنی ”جب تم رمضان المبارک کا چاند دیکھ لو تو ضرور روزہ رکھو.....“ یہاں بھی ”صوموا“ صیغہ امر ہے جو وجوب کے لیے ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

”ان الله فرض صيام رمضان عليكم وسنتت

لكم قيامه.“ [مسند احمد: ۱/۱۹۱۔ سنن نسائی:

۱۵۸/۴]

امت محمدیہ ﷺ پر روزہ کب فرض ہوا؟

اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی محمد ﷺ اور ان کی امت پر پیر کے دن ۲ شعبان ۲ھ میں روزہ فرض فرمایا، گویا رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے پندرہویں سال روزے کی فرضیت نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ و مبارکہ میں نو مرتبہ رمضان کا مہینہ آیا۔

روزہ کے حکم و مقاصد:

علمائے کرام نے روزہ کی بہت سی حکمتیں بیان فرمائی ہیں، ہمارے نزدیک روزے کی سب سے بڑی حکمت اور سب سے ارفع و اعلیٰ مقصد وہ ہے جس کا اللہ رب العزت نے اپنے مقدس کلام میں ذکر فرمایا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ [البقرة: ۱۸۳]

”اے ایمان والو! تم پر روزے رکھنا فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔“ گویا روزہ کا مقصد بندوں کو زیور تقویٰ سے آراستہ کرنا ہے۔ جو بندہ اس مقصد کو پا گیا، وہ یقیناً سعادت دارین سے ہمکنار ہو گیا۔ کیوں کہ دونوں جہانوں کی فلاح و نجات کے حصول کے لیے تقویٰ ایک نہایت ہی قوی اساس ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَسَارِعُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ﴾ [آل عمران: ۱۳۳]

”اور اپنے رب کی بخشش کی طرف اور اس کی جنت کی طرف دوڑو جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے، جو پرہیزگاروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔“

نیز فرمایا:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۚ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ [الطلاق: ۲، ۳]

”جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے چھکارے کی شکل نکال دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جس کا اسے گمان بھی نہ ہو۔“

روزے کے فضائل احادیث سے:

رسول اللہ ﷺ کی بہت سی احادیث میں روزہ کے فضائل و محاسن مذکور ہیں۔ اس سلسلہ کی سب سے جامع اور منفرد حدیث صحیح بخاری و صحیح مسلم میں بروایت محدث امت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ منقول ہے:

”عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ

قال: کل عمل ابن آدم له، الحسنۃ بعشر أمثالها

الی سبع مائة ضعف. قال اللہ عز وجل الا

الصیام فانہ لی وأنا أجزی به، انه ترک شہوتہ

وطعامہ و شرابہ من اجلی. للصائم فرحتان،

①.....صبر علی طاعة الله: یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت پر صبر، چنانچہ روزہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرض ہے اور بندہ پورے صبر کے ساتھ اس حکم کی تعمیل کرتا ہے۔

②.....صبر عن محارم الله: یعنی جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمادیا ان کے ترک پر پورے صبر کے ساتھ قائم رہنا۔ چنانچہ روزہ کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے اور شہوات نفس کو حرام قرار دے دیا ہے۔ روزہ دار ان تمام چیزوں کو پورے صبر کے ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔

③.....صبر علی اقدار الله المؤلمة: یعنی اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں انسان کے لیے جو تکالیف لکھ دی ہیں انہیں پورے صبر و استقامت کے ساتھ برداشت کرنا، چنانچہ روزہ دار کو روزہ کی حالت میں بھوک اور پیاس کی تکلیف لاحق ہوتی ہے، بالخصوص اس وقت جب دن انتہائی گرم اور طویل ہو۔

معلوم ہوا کہ صبر جس کا صلہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بے حساب ہے، روزہ کے اندر پوری طرح موجود ہے اسی لیے روزہ کا اجر بھی بے حد و حساب ذکر کر دیا گیا (روزہ کے اجر کا بے حد و حساب ہونا انسانوں کے تعلق سے ہے، اللہ تعالیٰ ہر چیز کی مقدار سے باخبر ہے۔) واضح ہوا کہ مذکورہ حدیث ابو ہریرہ کا پہلا جملہ صحیح بخاری میں اس طرح بھی مروی ہے:

”کل عمل ابن آدم له الا الصيام فانه لى .“
یعنی ”(اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) ابن آدم کا ہر عمل اسی کے لیے ہے، سوائے روزہ کے، کہ بے شک وہ میرے لیے ہے۔“
اس حدیث میں اللہ تعالیٰ نے جملہ عبادت میں سے روزہ کو اپنے نفس کے لیے خاص فرمایا ہے، اس اختصاص کی بہت سی وجوہ ذکر کی گئی ہیں، جن میں سے دو وجوہ قابل ذکر ہیں:

①.....روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس میں انسان ایک طویل عرصہ کے لیے اپنے نفس کی طبعی خواہشات چھوڑ دیتا ہے، یہ تکلیف کسی اور عبادت میں نہیں پائی جاتی۔ بحالت حج (احرام) صرف ترک جماع

فرحة عند وفطره فرحة عند لقاء ربه ولخلاف فم الصائم أطيب عند الله من ريح المسك .“

[متفق علیہ]

”ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابن آدم کا ہر عمل اس کے لیے (اس طرح باعث اجر ہے) کہ ایک نیکی دس گنا سے لے کر سات سو گنا کے برابر ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سوائے روزہ کے، بے شک وہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزاء دوں گا، کیوں کہ بندہ اپنی (جائز) خواہشات نفس اور کھانا پینا میرے لیے چھوڑتا ہے۔ روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں، ایک افطار کے وقت دوسری اپنے پروردگار سے ملاقات کے وقت۔ روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کو کستوری کی خوشبو سے زیادہ محبوب ہے۔“

اس حدیث میں روزہ کے تین منفرد فضائل مذکور ہیں۔ ہم افادیت اور ترغیب و تحریص کے لیے قدرے تفصیل سے ان کی وضاحت پیش کرنا چاہتے ہیں۔

پہلی فضیلت کا تعلق روزہ کے اجر سے ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ ہر نیکی کا ثواب دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک بڑھایا جاتا ہے جو یقیناً بہت بڑا ثواب ہے لیکن روزہ کا اجر اس معین تعداد میں محدود یا محصور نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ اس کے اجر میں بلا حصر و شمار اضافہ فرمادیتا ہے۔

اس طرف قرآن حکیم نے بھی اشارہ کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ إِنَّمَا يُوقَى الصَّابِرُونَ أَجْرُهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴾

[الزمر: ۱۰]

”صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر دیا جاتا ہے۔“

یہ بات معلوم ہے کہ صبر کا سب سے بڑا مظہر روزہ ہے۔ ایک حدیث میں روزہ کو پورے صبر کا نصف قرار دیا گیا ہے کیوں کہ روزہ وہ عبادت ہے جو صبر کی تینوں اقسام کو جمع کیے ہوئے ہے۔ صبر کی تین قسمیں یہ ہیں:

یعنی ”روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں۔ ایک افطار کے وقت دوسری اس وقت جب وہ اپنے رب سے جا ملے گا۔“
افطار کے وقت خوشی حاصل ہونے کے کئی اسباب ہیں۔ ایک یہ کہ دن بھر بھوک اور پیاس کی تکلیف برداشت کرنے کے بعد اب کھانے اور پینے کا وقت آ گیا تو خوشی حاصل ہونا ایک طبعی امر ہے۔ خوشی حاصل ہونے کا دوسرا سبب اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ چنانچہ روزہ دار نے اگر کھانا پینا چھوڑا تو اللہ کے حکم سے اور اب کھانا پینا شروع کر رہا ہے تو وہ بھی اللہ کے حکم سے، ویسے بھی اطاعت گزار بندے کا کھانا پینا اللہ تعالیٰ کی محبت و رضا کا موجب ہے جس کی دلیل صحیح مسلم کی یہ حدیث ہے:
”اِنَّ اللّٰهَ ليرضٰى عن عبده اَنْ ياكل الاكله فيحمدہ علیہا ویشرب الشرۃ فیحمدہ علیہا۔“

[صحیح مسلم]

”بے شک اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے سے خوب راضی ہوتا ہے جو کھانا کھا کر اور پانی پی کر اس کی حمد و ثناء بیان کرے۔“
پھر ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ اس وقت کھانے پینے کا اجر روزہ کے اجر سے کم نہیں ہے جس کی دلیل جامع ترمذی، مسند احمد مستدرک حاکم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح حدیث ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
”الطاعم الشاکر بمنزلۃ الصائم الصابر۔“
یعنی کھانے پینے والا شکر گزار، صبر کرنے والا روزہ دار جیسا ہے۔
تو یہ چیز بھی روزہ دار کو خوش کر دے گی۔

افطار کے وقت خوشی کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ یہ قبولیت دعا کا وقت ہے جس کی دلیل سنن ابن ماجہ کی یہ صحیح حدیث ہے:
”ان للصائم عند فطرہ دعۃ ما ترد۔“
یعنی افطار کے وقت روزہ دار کی دعا رد نہیں ہوتی۔
یہ ایک ایسی فضیلت ہے جو بندہ مومن کے لیے سب سے بڑی بشارت قرار دی جاسکتی ہے۔

تیسری فضیلت:

”ولخلوف فم الصائم أطیب عند اللہ من ریح

کا حکم ہے، کھانا پینا جائز ہے، بحالت نماز اگرچہ کھانا پینا اور دیگر خواہشات کا ترک ضروری قرار دیا گیا ہے لیکن یہ حکم تکلیف دہ نہیں ہے کیوں کہ نماز کا دورانیہ بہت کم ہے۔ اس میں بھی اگر بندے کو کھانے پینے کی طلب ہو اور کھانا موجود ہو تو شریعت نے نماز پڑھنے سے روک دیا ہے اور کھانا کھا کر نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

لیکن روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس میں بہر صورت پورے دن کے لیے خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، گرم ہو یا سرد، کھانا پینا چھوڑنا ضروری ہے۔ اور روزہ دار بھوک اور پیاس کی اس مشقت کو برداشت کرتا ہے حتیٰ کہ تنہائی میں لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہونے کے باوجود بھی ایک قطرہ آب یا ایک لقمہ طعام تک اپنے حلق سے نیچے نہیں اتارتا، لہذا اللہ تعالیٰ نے اس کی اس محنت کی قدر کی اور روزہ کو اپنے لیے خاص فرمالیا۔ بعض علمائے سلف کا قول ہے کہ وہ شخص کتنی بشارتوں کا مستحق ہے جو انواع و اقسام کی نعمتوں اور شہوتوں کو جو کہ سامنے موجود ہوتی ہیں چھوڑ دیتا ہے محض اللہ تعالیٰ کے ایسے وعدوں کی بنیاد پر جو پردہ غیب میں ہیں اور معلوم نہیں کب حاصل ہوں۔ واللہ المستعان

⑤..... روزہ اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ ایک ایسی عبادت ہے جو بندے اور اس کے پروردگار کے درمیان ایک خفیہ اور سری معاملہ ہے جس پر دوسرا کوئی شخص مطلع نہیں ہو سکتا، کیوں کہ روزہ نیت باطن کا نام ہے۔ نیز روزہ دار کے ترک طعام و شراب کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، وہ تنہا بیٹھا ہونے اور بھوکا پیاسا ہونے کے باوجود کھانے یا پانی کے قریب تک نہیں پھٹکتا۔ تیسری بات یہ ہے کہ ہر عبادت مثلاً نماز، زکوٰۃ، حج، عمرہ، قربانی اور جہاد وغیرہ ظاہری عمل پر مشتمل جو دوسروں کو دکھائی دیتی ہے لیکن روزہ ایک ایسی خفیہ اور سری عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسرا کوئی نہیں دیکھ پاتا۔ لہذا یہ عبادت ریاکاری سے بالکل پاک ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے روزہ کو اپنی ذات کے لیے خاص فرمالیا۔

حدیث میں مذکور دوسری فضیلت:

”للصائم فرحتان۔“ [الحديث]

المسک۔

یعنی روزہ دار کے منہ کی بواللہ تعالیٰ کو کستوری سے زیادہ محبوب ہے۔ روزہ دار کے منہ کی بوچوں کے عند اللہ مشک سے افضل ہے۔ لہذا اس خوشبو کی اللہ تعالیٰ تشہیر فرمائے گا۔ یہ تشہیر قیامت کے دن ہوگی۔ چنانچہ اہل صوم کی خوشبودور دور تک پھیلی ہوگی، جس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں روزہ چوں کہ بندے اور پروردگار کے درمیان ایک بہت ہی خفیہ معاملہ تھا لہذا آج روز قیامت اللہ تعالیٰ بہترین صلہ کی صورت میں مشک کی خوشبو کے ساتھ اس کی تشہیر فرما رہا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی روزہ دار سے محبت کی علامت ہے۔

روزہ کے فضائل کس طرح حاصل کیے جائیں؟

یہ ہمارے اس مضمون کا اہم ترین نکتہ ہے۔ گزشتہ صفحات میں روزہ کے فضائل، فوائد، محاسن اور بے شمار اجر و ثواب کا ذکر ہوا۔ اب سوال یہ ہے کہ ایک روزہ دار کس طرح بھرپور طریقے سے یہ تمام فضائل سمیٹ سکتا ہے؟ اس سوال کا بلکہ ہمارے ہر سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾

”تمہارے لیے ہر معاملہ میں بہترین نمونہ رسول اللہ (ﷺ)“

ہیں۔“ [الاحزاب: ۲۱]

گویا روزہ جیسی انتہائی وقیع اور مہتمم بالشان عبادت سے بھرپور فائدہ اٹھانے کے لیے ضروری ہے کہ ہم روزہ کی حالت میں انہیں امور پر توجہ مرکوز رکھیں جو رسول اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے ثابت ہیں۔ ان امور میں کثرت ذکر، تلاوت قرآن، صدقہ و سخاوت، کثرت دعا اور قیام اللیل وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

روزہ اور تلاوت قرآن:

یہ بات معلوم ہے کہ قرآن حکیم کا لوح محفوظ سے نزول رمضان کے مہینہ میں ہوا تھا۔ لقولہ تعالیٰ:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ﴾

ولقوله تعالیٰ:

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ مُبَارَكَةٍ﴾

اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر غار حرا میں پہلی وحی کا نزول بھی رمضان کے مہینہ میں ہوا تھا۔

رمضان میں تلاوت قرآن کی اہمیت کا اندازہ اس حدیث سے لگایا جاسکتا ہے:

”عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما: أن رسول اللہ ﷺ قال الصيام والقرآن يشفعان للعبد يوم القيامة يقول الصيام أي رب منعته الطعام والشهوة فشفعني فيه، ويقول القرآن منعته النوم بالليل فشفعني فيه، قال فيشفعان.“

[رواه احمد والطبرانی والحاكم، وقال صحيح على شرط مسلم]

”عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”روزہ اور قرآن مل کر قیامت کے دن بندے کی شفاعت کریں گے۔ روزہ کہے گا اے اللہ! میں نے اسے کھانے پینے اور شہواتِ نفس سے روکا تھا، لہذا اس کے بارہ میں میری سفارش قبول فرما۔ قرآن کہے گا اے اللہ! میں نے اسے راتوں کو سونے سے روکا تھا لہذا اس کے بارہ میں میری شفاعت قبول فرما۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دونوں کی شفاعت قبول کر لی جائے گی۔“ ثابت ہوا کہ رمضان میں تلاوت قرآن کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔

رمضان اور صدقہ و سخاوت:

رمضان المبارک صدقہ اور سخاوت کا مہینہ ہے۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: كان النبي ﷺ أجود الناس وكان أجود ما يكون في رمضان حين يلقاه جبريل فيدارسه القرآن وكان جبريل يلقاه في كل ليلة من رمضان فيدارسه القرآن فلرسول الله ﷺ حين يلقاه جبريل

نبی ہی کر سکتا ہے۔

روزہ اور قبولیت دعاء:

روزہ کے فضائل میں سے ایک فضیلت یہ ہے کہ یہ عظیم الشان عمل بہت زیادہ قبولیت دعا کا باعث بنتا ہے شرط یہ ہے کہ روزہ صحیح بنیادوں پر قائم ہو کیوں کہ روزہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہے۔ بندہ اپنے عمل کے ذریعے جس قدر اللہ تعالیٰ کے قریب ہوگا اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ اس کے قریب ہوگا۔ ایک حدیث قدسی میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”ومن تقرب منی شبرا تقربت منه ذراعا ومن تقرب الی ذراعا تقربت منه باعا ومن أتانی یمشی أتیتہ هرولة.“ [متفق علیہ]

یعنی ”جو شخص ایک باشت میرے قریب ہوگا میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہوں گا اور جو شخص ایک ہاتھ میرے قریب ہوگا میں دو ہاتھ اس کے قریب ہوں گا اور جو میری طرف چل کر آئے گا میں اس کی طرف دوڑ کے جاؤں گا۔“

وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ واصحابہ واهل طاعته اجمعین .



أجود بالخیر من الريح المرسلة .“

”عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ سب سے بڑے سخی تھے اور سب سے زیادہ سخاوت آپ ﷺ رمضان المبارک میں کیا کرتے تھے، جب کہ جبریل علیہ السلام آپ ﷺ سے مل کر قرآن کا دور کیا کرتے تھے اور جبریل علیہ السلام آپ ﷺ سے رمضان کی ہر رات ملتے اور قرآن کا دور کیا کرتے اس کے بعد رسول اللہ ﷺ تیز رفتار آندھی سے بڑھ کر سخاوت کیا کرتے تھے۔“ [صحیح بخاری و صحیح مسلم]

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سب سے خوبصورت، سب سے بہادر اور سب سے سخی تھے۔

صحیح مسلم میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث ہے کہ ایک شخص نے اسلام قبول کیا اور نبی اکرم ﷺ سے دو پہاڑوں کے درمیان موجود بے شمار بکریوں کا سوال کیا۔ آپ ﷺ نے وہ تمام بکریاں اسے عطا فرما دیں۔ وہ خوش خوشی اپنی قوم میں لوٹا اور کہا اے قوم! تم سب اسلام قبول کر لو کیوں کہ محمد ﷺ اتنا کچھ دے دیتے ہیں کہ کوئی اندیشہ فقر نہیں رہتا۔

صحیح مسلم ہی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ حنین کے موقع پر صفوان بن امیہ کو سوانٹ دیئے جس پر صفوان کہہ اٹھا اتنی سخاوت تو ایک

عمران حمید مرزا کے لیے خصوصی دعائے صحت

دارالدعوة السلفية شیش محل روڈ لاہور کی مجلس عاملہ کے معزز رکن محترم مرزا عمران حمید بن مرزا عبدالحمید (مرحوم) ان دنوں شدید علیل ہیں۔ محترم عمران حمید گزشتہ دنوں سے اپنی علالت کی وجہ سے نقاہت کا شکار تھے، جب انہوں نے ڈاکٹری چیک اپ کرایا تو معلوم ہوا کہ وہ انٹریوں کے شدید انفیکشن کا شکار ہو چکے ہیں۔ موصوف مسلکی و تحریکی سطح پر ایک متحرک اور تبلیغی کاموں میں دلچسپی سے حصہ لیتے ہیں وہ ادارہ دارالدعوة کے ایک مخلص ممبر، مرکزی جمعیت اہل حدیث پنجاب کے نائب ناظم اعلیٰ اور مسجد قباء اقبال ٹاؤن کی مجلس کے بھی ممبر ہیں۔ احباب انہیں اپنی خصوصی دعاؤں میں یاد رکھیں اور دعائے صحت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

اللهم اشفه شفاءً كاملاً عاجلاً - [ادارہ]

بیس رکعت تراویح پر تراویح عملی کا دعویٰ اور اس کی حقیقت

عبدالرزاق ساجد

ایک اور مغالطہ:

مفتی صاحب قارئین کرام کو اس حدیث کے بارے میں ایک اور مغالطہ دیتے ہوئے رقم طراز ہیں، جس میں رسول اللہ ﷺ کے قیام کی تعداد بسند صحیح اور نصاً بالصریح (۱۱) رکعت بتائی گئی ہے:

غیر مقلدین حضرات کو دراصل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت سے غلط فہمی ہوئی ہے:

عن ابی سلمة بن عبد الرحمن انه سال عائشة كيف كانت صلوة رسول الله ﷺ في رمضان فقالت ما كان يزيد في رمضان ولا في غيره على احدى عشرة ركعة . [بخاری شریف]

ابوسلمہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ حضور ﷺ کی نماز رمضان میں کیوں کر ہوتی تھی تو آپ نے فرمایا حضور ﷺ رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ آپ ہمیشہ گیارہ رکعت پڑھتے تھے خواہ رمضان ہو یا غیر رمضان، اب اگر یہ حدیث تراویح کے متعلق ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تراویح بارہ مہینہ کی سنت ہے۔ حالاں اس کے خود غیر مقلد بھی قائل نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث تہجد کے متعلق ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مطلب یہ ہے کہ تہجد کی رکعتوں میں رمضان کے اندر آپ ﷺ کوئی اضافہ نہیں فرماتے تھے بلکہ بارہ مہینے جمع وتر گیارہ ہی رکعات پڑھا کرتے تھے۔

مفتی صاحب غلطی اہل حدیث کو نہیں لگی جناب کی فکر کو دھوکہ ہوا ہے۔ استاذ حدیث ہونے کی تھوڑی سی حیثیت کو مد نظر رکھ لیجیے۔ جو مطلب آپ نکال رہے ہیں، عربی مزاج شناس، اہل لسان، اہل زبان،

اہل بلاغہ، اور اہل ذوق اس کا ابا کرتے ہیں۔

آپ کا بس چلتا تو شاید یہاں بھی ”احدی عشر“ کو ”احدی وعشرون“ بنا دیتے۔ نہ رہتا بلس نہ بختی بانسری باقی رہا آپ کا یہ کہنا کہ آپ ہمیشہ گیارہ (۱۱) رکعات پڑھتے تھے۔ تو پھر تراویح بارہ مہینہ کی سنت ہے۔ جناب اصل سبب فتور یہ ہے کہ آپ کے ذہن میں لفظ تراویح جاگزیں ہو گیا ہے جو نکلنے نہیں پارہا۔ حالاں کہ اس کی کتاب و سنت میں کوئی اصل نہیں۔ اس کو نکال کر دیکھنے بات سمجھ آ جائے گی۔

آپ رمضان وغیر رمضان دونوں میں قیام اللیل فرماتے تھے۔ گیارہ (۱۱) رکعت فرماتے تھے۔

فرق اتنا تھا کہ رمضان المبارک میں عشاء کے بعد اول اللیل میں شروع کر دیتے تھے جب کہ غیر رمضان میں رات کے آخری حصے میں یہ قیام فرماتے تھے۔

لہذا آپ کے بقول ”تراویح“ اور درحقیقت رمضان المبارک کا قیام اللیل اور عام دنوں کے قیام التہجد میں کوئی فرق نہیں۔ دونوں ایک ہیں۔ اگر دونوں میں فرق تھا تو یہ بات ہر عام و خاص میں شائع ہے کہ آپ نے کبھی تہجد کی نماز نہیں چھوڑی۔

تو پھر آپ نے ۲۳، ۲۵ اور ۲۷ کو جن راتوں میں قیام فرمایا۔ پہلی رات ثلث اللیل، دوسری رات نصف اللیل اور آخری رات شروع سے لے کر آخر اللیل تک، یہاں تک کہ صحابہ کرام میں یہ خدشہ پیدا ہو گیا کہ وہ سحری کر سکیں گے یا نہیں۔

سوال یہ ہے کہ اگر نماز تراویح اور چیز ہے جب کہ نماز تہجد اور چیز ہے تو (۲۷) کی رات آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تہجد کس وقت ادا فرمائی؟

ہے؟ اپنا طریق تحقیق کیا ہے؟

مؤطا امام مالک کی روایات اور امام ترمذی کے تبصرہ کو نقل کرنے کے حوالے سے مفتی صاحب کا اپنا کردار سامنے آچکا ہے۔

میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکلا مفتی صاحب علامہ سید انور شاہ کشمیری کی جامع ترمذی کی شرح العرف الشذی صفحہ ۳۲۹ کی عبارت لا مناص من تسلیم ان تراویح علیہ السلام کانت ثمانية رکعات کا آپ کیا ترجمہ کریں گے؟

اسی طرح نصب الراية میں علامہ زیلعی حنفی کے ہاتھوں آپ کا سہارا بننے والے آثار کی تضعیف کا کیا کریں گے؟ علامہ نیوی کی ان تصریحات کو کیا کہیں گے جو انہوں نے ان آثار کے بعد فرمائی ہیں؟ اگر آپ کو اعتراف حق کی توفیق نہیں ہوئی تو جنہیں ہوئی ہے اس پر اتنے برہم نہ ہوں۔

مفتی صاحب اہل حدیث پر اعتراض فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: باقی مؤطا امام مالک کی جو حدیث غیر مقلد حضرات نے نقل کی ہے کاش کہ یہ حضرات اگر اس کی شرح میں اس عبارت کو بھی دیکھ لیتے تو اچھا ہوتا: قال ابن عبد البر روی غیر مالک فی هذا الحديث احدى وعشرون وهو الصحيح . یعنی ابن عبد البر کہتے ہیں کہ امام مالک کے علاوہ تمام راویوں نے اس حدیث میں اکیس کا عدد ذکر کیا ہے اور یہی صحیح ہے۔ مفتی صاحب اہل حدیث مؤطا امام مالک کی ذکر کردہ دونوں روایات کو ذکر کرتے ہیں جیسا کہ اپنے اس جواب کے اندر راقم نے بھی دونوں کا ذکر کیا ہے۔

یہ عادت صرف آپ کو مبارک ہو کہ جس سے اپنی مقصد برآری ہوتی ہو وہ خواہ پر لے درجے کی ضعیف، معلول، کمزور اور منکر روایت ہی کیوں نہ ہو، اسے تو لے لیا جاتا ہے مگر مقابل کے پاس صرف صحیح ہی نہیں اصح ترین بھی ہو تو وہ قابل اعتنا نہیں ٹھہرتی۔

لطفیہ: مقلدین حضرات اکثر اہل الحدیث کو یہ طعنہ دیتے ہیں کہ وہ نماز پڑھنے سے کتراتے ہیں۔ لہذا عشاء کی نماز پوری ۷ رکعت نہیں پڑھتے۔

قارئین کرام! اگر معمولی سا غور کیا جائے تو تمام مقلدین ۱۱ رکعت کو درحقیقت مانتے ہیں۔ اور گیارہ ماہ وہ گیارہ رکعت ہی کے قائل رہتے ہیں۔

عشاء کی رکعتوں کی تعداد: ۴ فرض + ۲ سنتیں = ۶

تہجد، قیام اللیل کی تعداد: ۸ + ۳ = ۱۱

ٹوٹل: (۱۷) رکعتیں

لہذا مقلدین حضرات ۱۱ رکعت قیام اللیل + ۶ رکعت عشاء ملا کر ۱۷ رکعتیں پڑھتے ہیں۔

جب کہ اہل حدیث ۶ رکعت عشاء بوقت عشاء۔ جب کہ ۱۱ رکعت قیام اللیل رات کے آخری حصہ میں ادا کرتے ہیں۔ کیوں کہ وتر عشاء کی نماز کا حصہ نہیں بلکہ قیام اللیل یا تہجد کا حصہ ہے۔ پھر مفتی صاحب لکھتے ہیں:

تمام علمائے احناف بیس رکعت تراویح ہی کے قائل ہیں: علمائے احناف نے بیس رکعت تراویح کو ثابت کرنے کے سلسلے میں جو مستقل کتابیں لکھی ہیں غیر مقلد حضرات ان میں سے ذرا ذرا سی عبارتیں نقل کر کے عوام کو شبہ ڈالتے ہیں۔ حالاں کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری نور اللہ مرقدہما اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ نے اپنی ان کتابوں میں نہایت محققانہ انداز سے بیس رکعت تراویح کو ثابت کیا ہے۔ یہ سب حضرات بیس ہی پڑھتے تھے اور بیس ہی کے قائل تھے۔ چنانچہ اوچے اوچے المسالک کے جس صفحہ کی عبارت غیر مقلد حضرات نے نقل کی ہے اسی صفحہ پر دوسطروں کے بعد حضرت شیخ الحدیث صاحب تحریر فرماتے ہیں:

وقد ثبت تحديد العشرين باثار الصحابة الكثيرة

یعنی بیس رکعت تراویح بہت سے آثار صحابہ سے ثابت ہے۔

مفتی صاحب کا یہ دعویٰ بھی محل نظر ہے کہ غیر مقلد حضرات حنفی علماء کی کتابوں میں سے ذرا ذرا سی عبارتیں نقل کر کے عوام کو شبہ میں ڈالتے ہیں۔ خود حضرت مفتی صاحب کا اپنا وطیرہ کیا ہے؟ اپنی طرز واردات کیا

میں منکر لانا، نصوص کے مقابلے میں قیاس کو کھڑا کرنا، تصریحات کے سامنے توجیہات کو لے کر آنا۔

اس سے علمی مقام و مرتبہ میں شاید کمی تو آتی ہے۔ مگر بلندی یا عروج نہیں۔ اسی طرح مفتی صاحب نے قنوت والی احادیث میں تطبیق کو دلیل بنا کر یہ پھبتی کسی ہے کہ احادیث تراویح میں تطبیق سے گریز کیوں؟ حضور! کاش آپ نے مضمون لکھنے سے قبل اصول تطبیق کا تازہ مطالعہ فرمایا ہوتا یا کم از کم حنفی اصول تحقیق کے مطابق اصول تطبیق کو مد نظر رکھا ہوتا تو معلوم ہو جاتا ہے کہ اہل علم کا کام کیا ہے؟

محترم معاف کیجیے گا! استاذ حدیث ہونے سے ضروری نہیں کہ اصول حدیث کی معرفت تامہ حاصل ہو سکے اور پھر اس کا استحضار بھی رہے۔ کاش! آپ نے یہ دیکھا ہوتا کہ احادیث میں تطبیق کی شروط کیا ہیں؟ اور جب صحیح کے مقابلے میں ضعیف روایت آ رہی ہو تو اسے تطبیق نہیں دیتے بلکہ صحیح کو قبول کرتے ہیں اور ضعیف کو رد۔ کاش آپ کو شاذ اور منکر ہی کی تعریف متحضر ہوتی تو اس طرح کے طفلانہ شکوے زبان پر نہ آتے۔

غیر مقلد حضرات سے چند سوالات:

اگر غیر مقلد حضرات حضور علیہ السلام کی مذکورہ بالا حدیث علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المہدیین کو نظر انداز کر کے بیس رکعت تراویح سے گریز کرتے ہیں تو حسب ذیل سوالوں کا جواب دیں:

①..... آنحضور ﷺ نے تراویح ۲۳، ۲۵، ۲۷ ان تین راتوں میں ایک ایک رات درمیان میں ناعہ کر کے پڑھی، غیر مقلد حضرات درمیان میں ناعہ کیوں نہیں کرتے؟

②..... آنحضور ﷺ نے ۲۳ ویں شب کو شروع کی، غیر مقلد پہلی ہی شب سے کیوں شروع کر دیتے ہیں؟

③..... آنحضور ﷺ نے بروایت ابوذر رضی اللہ عنہ تین دن پڑھی غیر مقلد پورے مہینے کیوں پڑھتے ہیں؟

④..... آنحضور ﷺ نے تراویح کے متعلق فرمایا تھا:

فصلوا ایہا الناس فی بیوتکم .

مفتی صاحب اب آپ کا فرمانا کہ ”موطا امام مالک کی جو حدیث غیر مقلدین حضرات نے نقل کی ہے کاش یہ حضرات اگر اس کی شرح میں اس عبارت کو بھی دیکھ لیتے۔“

آپ کا یہاں موطا کے ساتھ رویہ کیوں بدل گیا ہے؟ تیور تبدیل کیوں ہونے لگے ہیں؟ لہجے میں سختی کیوں اتر آئی ہے؟ حافظہ جواب کیوں دے گیا ہے؟ اس لیے کہ اب غیر مقلدین کی باری ہے؟

جب آپ حدیث موطا سے لیں تو پھر آپ کے بقول جیسا کہ آپ اپنے مضمون میں یہ بات لکھ چکے ہیں، موطا امام مالک جو حدیث کی صحیح کتاب ہے اس میں ہے۔

کیوں جناب اب اس کی صحت کو کیا ہو گیا ہے؟

مفتی صاحب آپ دوسروں کو تو علامہ ابن عبدالبر کی عبارت پڑھانے چل دیے۔ کاش آپ نے علامہ زلیحی حنفی کی اس عبارت کو بھی پڑھا ہوتا جو انہوں نے ”یزید بن رومان“ کے اثر کے حوالے سے نصب الراية میں آپ کی نظر کی ہے۔

مزید برآں ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے مفتی صاحب کا کہنا ہے:

علاوہ ازیں شرح حدیث نے اور بھی توجیہیں کی ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ تمیم داری اور ابی ابن کعب دونوں حضرات دس دس تراویح پڑھاتے تھے جس طرح آج کل دو حافظ ایک جگہ قرآن سناتے ہیں تو ہر ایک دس دس تراویح پڑھاتا ہے۔ باقی وتر کبھی تمیم داری پڑھاتے تھے، کبھی حضرت ابی ابن کعب (رضی اللہ عنہما) اس توجیہ کی بنا پر بیس ہی رکعتیں ہوئیں جس طرح ان حضرات نے اپنے پوسٹر میں قنوت کے بارے میں تطبیق بین الاحادیث کی ہے۔ یہاں اس کی صحت سے بحث نہیں۔ مگر کہنا یہ ہے کہ تراویح کے بارے میں یہ حضرات اس تطبیق سے کیوں گریز کرتے ہیں؟ تطبیق دے کر بیس کیوں نہیں پڑھتے؟ ایک حدیث کو لے کر دوسری کو چھوڑ دینا اہل علم کا کام نہیں۔

مفتی صاحب کا یہ کہنا کہ ”علاوہ ازیں شرح حدیث نے اور بھی توجیہیں کی ہیں۔“

محترم صحیح کے مقابلے میں ضعیف کو پیش کرنا، معروف کے مقابلے

کیا فقہ حنفی مکمل فقہ ہے؟

آخر میں مفتی صاحب نے بلاسوچے سمجھے ایک اور دعویٰ داغ دیا کہ اس کے بعد آخر میں حنفی حضرات سے یہ گزارش ہے کہ فقہ حنفی نہایت مکمل فقہ ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے امت مسلمہ کی سہولت کے لیے چالیس علماء کی کمیٹی بنا کر قرآن و حدیث سے مسائل کا استنباط کیا ہے۔ یہ مسائل قرآن و حدیث کے مطابق ہیں اس لیے کسی غلط فہمی کا شکار ہو کر شک و شبہ میں نہ پڑیں۔ اللہ رب العزت ہم کو اور تمام مسلمانوں کو راہ استقامت پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے اور ہر قسم کی گمراہی سے محفوظ رکھے، آمین ثم آمین۔

مفتی صاحب آپ کا یہ دعویٰ کہ ”فقہ حنفی نہایت مکمل فقہ ہے۔“ محترم کیا اس کا صرف کوئی ایک مسئلہ ایسا ہے جو امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب کیا گیا ہو۔ آپ اسے زیادہ نہیں صرف ایک عدد صحیح السند اور صریح الدلائل، دلیل سے ثابت کر دیں۔ لیجئے نماز سے قبل مروجہ نیت کا اثبات ہی اپنے امام سے کر دیجیے۔

سینکڑوں سال بعد من مرضی کے مسائل کو امام صاحب کی طرف منسوب کر دینا کہاں کا انصاف ہے؟ کیا اس دعویٰ پر کہ ”فقہ حنفی نہایت مکمل فقہ ہے۔“ امام ابوحنیفہ تک صحیح سند کے ساتھ ایک بھی قول ایسا پیش کیا جاسکتا ہے جو اس دعویٰ کی صداقت پر صریح دلالت کر رہا ہو۔

اس عبارت میں مفتی صاحب نے ضعیف و منکر روایات پر عمل کو ”راہ استقامت“ قرار دیا ہے۔ جب کہ صحیح احادیث اور سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور سنت خلفائے راشدین پر عمل پیرا ہونے کو ”گمراہی“ سے ملقب فرمایا ہے۔ ہم ان کی اس حالت زار پر یہی دعا کر سکتے ہیں کہ

﴿اللہم اھد قومی فانہم لا یعلمون﴾

تدوین فقہ حنفی کے لیے کمیٹی کا قیام:

مفتی صاحب نے فقہ حنفی کے مکمل ترین فقہ ہونے، اس پر لوگوں کو قائم دائم رہنے اور کتاب و سنت کی صحیح ترین اور واضح ترین ادلہ کے مقابلے میں مفتی صاحب اور ان کے حامیوں کے افکار و نظریات اور

یعنی اے لوگو یہ نماز اپنے گھروں میں پڑھا کرو۔ غیر مقلد حضرات اس حدیث کے خلاف مسجد میں کیوں پڑھتے ہیں؟

⑤..... آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منفرد حالت میں پڑھنے کا حکم فرمایا تھا غیر مقلد جماعت کے ساتھ کیوں پڑھتے ہیں؟ حالاں کہ جماعت بھی دورِ فاروقی میں مقرر ہوئی ہے۔

⑥..... بروایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور علیہ السلام رمضان وغیر رمضان یعنی بارہ مہینے گیارہ رکعت پڑھتے تھے لیکن غیر مقلد صرف رمضان ہی میں پڑھتے ہیں باقی گیارہ مہینے کیوں اس سنت کو بالائے طاق رکھتے ہیں؟ مفتی صاحب کی طرف سے بظاہر یہ ۶ سوالات کیے گئے ہیں۔ جب کہ درحقیقت یہ دو سوال بنتے ہیں:

①..... آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عموماً قیام اللیل منفرداً گھر میں کیا ہے اور اسی کا حکم دیا ہے۔ جماعت صرف تین ایام کروائی ہے مکمل ماہ نہیں۔ تو اہل حدیث مسجد میں بالجماعت پورا ماہ کیوں پڑھتے ہیں؟ محترم ویسے تو ان سوالوں کے جوابات مناقشہ کے دوران ہو چکے۔ لیکن یہاں بھی عرض کیے دیتے ہیں شاید اللہ تعالیٰ سمجھ کی توفیق سے نواز دے۔

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منفرداً گھر میں قیام بھی کیا اور مسجد میں مع جماعت بھی۔ آخر کار بخیر شدہ فرضیت اسے ترک کر دیا۔ جب خدشہ فرضیت ختم ہو گیا تو معاملہ اصل اجازت کی طرف لوٹ گیا۔ اور مسجد میں جماعت پر آپ کی سنت کو جاری کرتے ہوئے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کو جمع کر دیا۔ اس لیے اہل حدیث ایسا کرتے ہیں۔ اور یہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام خلفائے راشدین کی سنت نہ کہ (۱۱) رکعت کو (۲۳) رکعت میں بدل دینا نہ اس پر اجماع، نہ اتفاق، نہ تواثر جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

②..... رہا یہ سوال کہ آپ رمضان وغیر رمضان میں (۱۱) رکعت پڑھتے تھے۔

محترم آپ نے اگر الفاظ حدیث کو بغور پڑھا ہوتا تو یہ سوال نہ داغا ہوتا۔ وہاں ۱۱ رکعت سے اضافے کی نفی ہے۔ وگرنہ آپ سے (۸+۱) نو رکعات کا اثبات بھی کتب احادیث میں موجود ہے۔

چھٹ جائے۔

تاریخ تقلید وفقہ حنفی:

کتاب وسنت کا عربی زبان میں ہونا، قرآن وحدیث کا مشکل ہونا، ہماری عقل وسمجھ سے بالاتر ہونا، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا علم وعمل اور فہم و بصیرت میں برتر ہونا یہ وہ عذر ہیں جن کی بنیاد پر کتاب وسنت سے راہ فرار اختیار کرتے ہوئے تقلید امام کو اپنایا جاتا ہے اور قرآن وحدیث کی صحیح و صریح آیات واحادیث کے مقابلے میں اقوال امام کو ترجیح سے نوازتے ہوئے اسے مستند قرار دیا جاتا ہے اور یوں ساری عمر دلدل تقلید میں گزرنے کو شرف سمجھا جاتا ہے۔

ذیل میں کچھ استفسارات ہیں:

جنہیں اگر جمود وتعصب سے بالاتر ہو کر ہوش وحواس کے ساتھ دیکھا، پڑھا اور سوچا گیا تو اس دلدل سے نجات کی امید کی جاسکتی ہے۔ چونکہ مقلد کی دلیل اور مستند قول امام یا فعل امام ہوتا ہے۔ لہذا درج ذیل سوالوں کی جو بھی دلیل دی جائے وہ امام صاحب کے قول سے پیش کی جائے۔ جواب میں جو قول پیش کیا جائے اس کا سند صحیح ہونا اور دلالت صریح ہونا ضروری ہے۔ بطور دلیل جو بھی قول پیش کیا جائے اس کی سند امام عالی مقام تک پوری نقل کی جائے۔ جس سند کو نقل کیا جائے اس کا مکمل حوالہ دیا جائے۔ حوالہ کے لیے درج ذیل چیزوں کا ہونا لازمی ہے۔

نام مؤلف، نام تالیف، ناشر ادارہ، مقام نشر، طبعہ، جلد نمبر، جزء نمبر اور صفحہ نمبر۔

نوٹ: مقلد حضرات نے چوں کہ قرآن وحدیث کے بزبان عربی ہونے، مشکل ہونے اور فہم وادراک سے بالاتر ہونے کا بہانہ بنا کر تقلید کو اپنایا ہوتا ہے اس لیے جو بھی بات لکھی جائے، جواب دیا جائے، یا استدلال کیا جائے اس میں قرآنی آیات کو ڈھال نہ بنایا جائے کیوں کہ یہ تدلیس ہوگی تقلید نہیں۔ اور نہ لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے احادیث کا سہارا لیا جائے کیوں کہ یہ تلبیس ہوگی نہ کہ تقلید۔ اور نہ مقلدین کی خود ساختہ فقہ کی مزعومہ کتب میں سے کسی مقلد کی بات اور قول کو پیش کیا

قیاس آرائیوں پر جے رہنے کے لیے..... مکھی پہ مکھی مارتے ہوئے..... حنفی مجلس شوریٰ اور کمیٹی کے قیام کو امام صاحب کے نام تھوپ دیا۔

یہ کمیٹی حقیقت میں تو شاید ہی اپنا وجود رکھتی ہو ہاں یہ ضرور ہے کہ چودھویں صدی کے راشرز حضرات نے اپنے کمروں اور حجروں میں بیٹھ کر نوک قلم کے ذریعے چابکدستی سے اس کمیٹی کو اوراق وقرطاس پر امت اور قوم کی نظر ضرور کر دیا۔

مفتی صاحب..... خیالی پلاؤ پکائے تو جاسکتے ہیں..... کھانے کا دعویٰ بھی کیا جاسکتا ہے مگر کبھی دسترخوان پر دکھائے نہیں جاسکتے، اور نہ یہ کسی کا پیٹ بھر سکتے ہیں۔ اور نہ بھوک مٹا سکتے ہیں۔ ان کی حالت ﴿ لا یُسْمَن ولا یغنی من جوع ﴾ والی ہوتی ہے۔

مگر دینداروں کو دین کے نام پر اس طرح کے فرضی، تصوراتی، خیالاتی اور بے بنیاد امور پر اڑ جانا زیب نہیں دیتا۔ اور نہ یہ ان کے شانیاں نشان ہے۔ مفتی صاحب ذرا اپنی ”فقاہت“ کو دعوت فکر دیتے ہوئے جمود تقلید سے نکال کر تحقیق حال کے تحریک دیجیے، صورت حال عیاں ہو جائے گی۔ سوف تری اذا انجلی الغبار

اس کمیٹی کے بارے میں آپ حضرات کا یہ لکھنا اور فرمانا کہ ۱۲۱ھ سے ۱۵۰ھ تک تدوین فقہ کے لیے ایک مجلس تشکیل دی گئی جو چالیس افراد پر مشتمل تھی۔ جس میں بڑے بڑے افاضل فقہائے کرام مثلاً امام محمد، امام ابویوسف، امام زفر، یحییٰ بن ابی زیدہ اور حفص بن غیاث جیسے علماء موجود تھے۔ مفتی صاحب کیا آپ نے تراجم رجال میں امام ابویوسف کی کبھی تاریخ پیدائش کو ٹوٹا اگر دیکھا ہوتا تو پیدائش سے دس سال پہلے انہیں اس کمیٹی کا ممبر نہ بنایا ہوتا۔ اور امام ابویوسف کا ۱۱۳ھ میں پیدا ہونے کے بعد ۸ سال کی عمر میں ممبر بن جانا۔ امام زفر ۱۱۰ھ میں پیدا ہوئے اور پندرہ سال انہیں کمیٹی میں بٹھا دیا جائے۔ امام طحاوی پیدا تو ۲۳۸ھ میں ہوں مگر ۱۱ سال پہلے انہیں فقہ حنفی کی تدوین تکمیل پر بٹھا دیا جائے۔ حضور دنیا دل و دماغ اور چشم و بصر بھی رکھتی ہے۔ صرف سماع پر گزارا نہیں کرتی۔ کچھ سوچئے!

ذیل میں ہم فقہ حنفی کے حوالے سے چند معروضات مفتی صاحب اور ان کی ”فقاہت“ کی نظر کرتے ہیں۔ شاید کچھ تشفی ہو جائے، اور غبار

جائے کیوں کہ مقلد اور فقہ دو مختلف چیزیں ہیں۔

۱۔ جب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ مسند امامت پر براہمان ہوئے اور اس قابل ہو گئے کہ ان کے تمام اقوال و افعال میں تقلید کی جائے اس وقت ان کی عمر کتنی تھی؟

۲۔ کیا امام صاحب اول المقلدین تھے؟ یا ان کے لیے دین اور تھا اور دوسروں کے لیے اور؟

۳۔ تقلید کا سب سے پہلا مسئلہ کیا تھا جسے امام صاحب نے بیان کیا؟ فقہ کی کس کتاب میں ہے؟ اس کا تعلق کتاب الطہارہ سے ہے؟ کتاب الصلوٰۃ سے ہے؟ کتاب الایمان سے ہے؟

۴۔ امام صاحب نے جب یہ مسئلہ بیان کیا تو تب آپ کہاں تھے؟ علاقہ کون سا تھا؟ شہر کون سا تھا؟ محلہ کون سا تھا؟ گلی کون سی تھی؟

۵۔ وہ مسئلہ بیان کرتے وقت آپ گھر میں تھے؟ مسجد میں تھے؟ مدرسہ میں تھے؟ حجر میں تھے؟ یا مکتب میں تھے؟

۶۔ مسئلہ بیان کرتے وقت امام صاحب اکیلے تھے؟ شاگردوں میں تھے؟ عامۃ الناس میں تھے؟ یا حلقہ خواص میں تھے؟

۷۔ وہ مسئلہ امام صاحب نے از سر خود بیان فرمایا تھا؟ یا کسی کے استفسار پر اسے بیان کیا تھا؟

۸۔ وہ مسئلہ انہوں نے زبانی بیان کیا تھا؟ اپنے ہاتھ سے تحریر لکھ کر دیا تھا؟ یا کسی کو املاء کروایا تھا؟

۹۔ جس تقلید کی تبلیغ آج صبح و شام کی جارہی ہے، کیا امام صاحب نے خود کبھی اس کی تبلیغ کی؟

۱۰۔ امام صاحب کی دعوت تقلید پر بلیک کہنے والے سب سے پہلے خوش نصیب مقلد مرد کا نام کیا تھا؟

۱۱۔ تقلید کو گلے لگانے والی سب سے پہلی مقلدہ خاتون کون تھی؟

۱۲۔ دنیائے تقلید میں جنم لینے والے سب سے پہلے بچے کا نام کیا تھا؟

۱۳۔ کیا بتایا جاسکتا ہے کہ سب سے پہلے مرنے والا مقلد کون تھا؟ وہ

مرد تھا؟ عورت تھی؟ بوڑھا تھا؟ جوان تھا؟ بچہ تھا؟ غلام تھا؟ آزاد تھا؟

مقتدی تھا؟ یا امام تھا؟

۱۴۔ کیا وجوب تقلید پر امام صاحب کا کوئی ایک درس، لیکچر یا خطبہ

دکھایا جاسکتا ہے؟ جو صحیح السند اور صریح الدلائل ان سے ثابت ہو؟

۱۵۔ کیا وجوب تقلید پر امام صاحب کا کوئی جملہ پیش کیا جاسکتا ہے؟ جو صحیح السند اور صریح الدلائل ان سے ثابت ہو؟

۱۶۔ کیا وجوب تقلید پر امام صاحب کی کوئی ذاتی تحریر یا تصنیف دکھائی جاسکتی ہے جس میں انہوں نے اسے ضروری قرار دیا ہو؟

۱۷۔ کیا امام صاحب کا کوئی ایسا حکم نامہ دکھایا جاسکتا ہے جس میں انہوں نے اپنے شاگردوں کو اپنی تقلید کا حکم دیا ہو؟ یا انہیں لوگوں کو تقلید کی دعوت دینے کا حکم دیا ہو؟

۱۸۔ کیا تقلید کی تکمیل ہو چکی ہے کہ ابھی زیر تکمیل ہے؟

۱۹۔ اگر تکمیل ہو چکی تو کب؟ امام صاحب کی زندگی میں ہوئی؟ یا بعد میں؟

۲۰۔ اگر زندگی میں ہوئی تو اس وقت ان کی عمر مبارک کتنی تھی؟

۲۱۔ اس وقت امام صاحب کہاں تھے؟ کون سا علاقہ تھا؟ ساتھ کون کون تھا؟ یا آپ اکیلے تھے؟

۲۲۔ اور وہ آخری مسئلہ کیا تھا جس پر تقلید کی تکمیل ہوئی؟ وہ فقہ کی کس کتاب میں ہے؟ اس کا تعلق کس عنوان سے ہے؟ اس کی نص کیا ہے؟

۲۳۔ اور اگر تقلید کی تکمیل ان کی وفات کے بعد ہوئی تو کب؟ کس دور میں؟ کس سن میں؟ کس تاریخ کو؟ کس جگہ پر؟ کس کے ہاتھوں؟ کس مسئلہ پر؟

۲۴۔ اور جس شخص نے یہ تکمیل فرمائی کیا اس کے پاس اس کی اتھارٹی تھی؟ کیا امام صاحب کا وہ اتھارٹی لیٹر دکھایا جاسکتا ہے؟

۲۵۔ یا پھر ابھی تک تقلید پایہ تکمیل کو نہیں پہنچی؟ اگر وہ واقعی نہیں تو کیوں؟ امام صاحب اتنی اہم چیز کو ادھورا کیوں چھوڑ گئے؟

۲۶۔ تقلید کی تکمیل کب ہوگی؟ کون کرے گا؟ کہاں کرے گا؟ کس مسئلہ پر کرے گا؟

۲۷۔ یا پھر تقلید یونہی غیر مکمل اس دنیا سے سدھار جائے گی؟



اعتکاف اور لیلۃ القدر

عبدالرشید عراقی

حاصل ہو، اشتغال باخلق سے رہائی نصیب ہو، اور اشتغال بالحق کی نعمت میسر آئے، اور یہ حال ہو جائے کہ تمام افکار و ترددات اور ہوم و سوسائس کی جگہ اللہ کا ذکر اور اس کی محبت لے لے۔ ہر فکر اس کی فکر میں ڈھل جائے اور ہر احساس و خیال اس کے ذکر و فکر اور اس کے رضا و قرب کے حصول کی کوشش کے ساتھ ہم آہنگ ہو جائے۔ مخلوق سے اُنس کی بجائے اللہ سے اُنس پیدا ہو، اور قبر کی وحشت میں جب اس کا کوئی غم خوار نہ ہوگا۔ یہ اُنس اس کا زاد سفر بنے یہ ہے اعتکاف کا مقصد جو رمضان کے افضل ترین دنوں یعنی آخری عشرہ کے ساتھ مخصوص ہے۔“ [زاد المعاد: ۱/ ۱۷۸]

حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) لکھتے ہیں کہ ”چوں کہ مسجد میں اعتکاف جمعیت خاطر، صفائی قلب، ملائکہ سے تشبہ اور شب قدر کے حصول کا ذریعہ، نیز طاعت و عبادت کا بہترین موقع ہے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس کو عشرہ اواخر میں رکھا ہے اور اپنی امت کے محسنین و صالحین کے لیے اس کو سنت قرار دیا ہے۔“ [حجة الله البالغة: ۲/ ۴۲]

آنحضرت ﷺ نے اس پر ہمیشہ مداومت فرمائی اور مسلمانوں نے بھی ہر جگہ اور ہر دور میں آپ ﷺ کی پیروی کی۔ اعتکاف میں ذکر و اذکار، تلاوت قرآن مجید میں ہمہ تن مصروف رہنا چاہیے۔ مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ (۱۹۵۸ء) فرماتے ہیں کہ

”ہر مسلم آبادی میں چند نفوس مسلم کے لیے ضروری ہے کہ اواخر عشرہ رمضان میں مسجد کے ایک گوشہ میں شب و روز محویت، اتباع نبوی، تلاوت کتاب عزیز، تفکر خلق سماوات و اراض، ذکر نعم الہی، تذکرہ اسمائے حسنیٰ اور تحیت و تسلیم و ادائے

انسان کی جبلت میں یہ بات موجود ہے کہ جب بھی اسے کوئی پریشانی یا مشکل پیش آتی ہے تو وہ تنہائی کو پسند کرتا ہے اور تنہائی ہمیشہ سکون و راحت کا سبب بنتی ہے۔ دنیا میں کوئی ایسا مذہب نہیں ہے جس میں یکسوئی اور خلوت کو خصوصی مقام حاصل نہ ہو۔ ہر زمانے میں لوگ غاروں میں تزکیہ نفس کے حصول کے تھے چلہ کشی کرتے رہے ہیں۔ اسلام نے تارک الدنیا ہو کر رہبانیت اختیار کرنے کی اجازت نہیں دی۔ البتہ اس فطری ضرورت کا لحاظ کیا اور روحانی بلند یوں کے حصول کے لیے اعتکاف کی ترغیب دی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف بیٹھتے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فوت کر لیا۔ آپ ﷺ کی رحلت کے بعد آپ کی ازواج مطہرات اعتکاف بیٹھا کرتی تھیں۔ [بخاری و مسلم]

ایک دوسری حدیث جس کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہر رمضان میں دس دن اعتکاف فرماتے تھے۔ جس سال آپ نے انتقال فرمایا آپ ﷺ نے بیس دن اعتکاف کیا۔ [صحیح بخاری]

اعتکاف رمضان کے فوائد اور مقاصد کی تکمیل کے لیے ہے۔ اگر روزہ دار کو رمضان کے پہلے حصے میں وہ سکون قلب، جمعیت باطنی، فکر و خیال کی مرکزیت، انقطاع الی اللہ کی دولت، رجوع الی اللہ کی حقیقت اور اس کے در رحمت پر پڑ رہنے کی سعادت حاصل نہیں ہو سکتی۔ تو اس اعتکاف کے ذریعہ اس کا تدارک کر سکتا ہے۔ [ارکان اربعہ، ص: ۲۹۴]

حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

”اعتکاف کی روح اور اس سے مقصود یہ ہے کہ قلب اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستہ ہو جائے اور اس کے ساتھ جمعیت باطنی

ہے، جس کی وجہ سے لوگ زندگی بھر دوسری راتوں کی عبادت سے محروم رہتے ہیں۔“ [فہم الحديث: ۱/۴۱۲]
رسول اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ
”شب قدر میں جو شخص ایمان و احتساب کے ساتھ عبادت کرے گا اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔“

[بخاری و مسلم]

اس لیے ہر مسلمان کو چاہیے کہ اس رات کی جستجو میں آخری عشرہ کی راتیں اس کے لالچ میں قیام و عبادت اور دعا و مناجات میں گزاریں۔

مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ (۱۹۵۸ء) فرماتے ہیں کہ
”ہر مسلم کا فرض ہے کہ وہ اس لیلہ مبارکہ میں رحمتوں کا طالب ہو اور اس رحمان و رحیم ہستی کے آگے سر نیا خم کرے۔ جبین پر معاصی کو زمین پر عجز و خاکساری سے رکھے اور بصد خشوع و خضوع دست تضرع دراز کرے کہ خدا یا

”رسول جو کچھ اس پر نازل ہوا۔ اس پر ایمان لایا اور اہل ایمان بھی ایمان لائے۔ سب خدا پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور بلا تفریق اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔ اور پکار اٹھے پروردگار تیری باتیں سنیں، تیری اطاعت کا عہد باندھا، اب تیری مغفرت کے طالب ہیں اور تو ہی ہمارا مرجع ہے۔ بس اے پروردگار اگر ہم سے بھول چوک ہو یا کوئی خطا سرزد ہو جائے تو مواخذہ نہ کر ہمارے رب پہلو کی طرح ہم کو گراں بار نہ بنا، اے ہمارے رب! ہماری طاقت سے زیادہ ہم پر بوجھ نہ ڈال، ہمیں معاف کر، ہمارے گناہ بخش، ہم پر اے ہمارے آقا رحم فرما۔ اور کفار پر ہمیں غلبہ نصیب کر۔“ [۲، ۲۸۵، ۲۸۶]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان المبارک کی آخری دس راتوں میں جس قدر کوشش کے ساتھ عبادت کرتے اس قدر دوسری راتوں میں کوشش نہیں ہوتی تھی۔ [صحیح مسلم]

ایک دوسری حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ جب رمضان المبارک کا آخری عشرہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ مکرس لیتے۔ رات بھر بیدار رہتے اور اہل خانہ کو بھی جگاتے۔ [بخاری و مسلم]

صلوٰۃ میں اس طرح بسر کریں کہ ان اوقات محدودہ کا کوئی لمحہ تذکر و تفکر سے خالی نہ ہو۔ تاکہ ان اشخاص مقدسہ کا جلوہ اس کی آنکھوں میں پھر جائے۔“ [ارکان اسلام، ص: ۲۳۱]
اعتکاف جامع مسجد میں بیٹھنا چاہیے، عورتوں کا اپنے گھروں میں اعتکاف کرنا حدیث سے ثابت نہیں، معتکف قضائے حاجت کے لیے مسجد سے باہر جاسکتا ہے۔ نماز جنازہ میں شرکت کی اجازت نہیں ہے۔
لیلۃ القدر (شب قدر):

شب قدر کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
”ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں نازل کیا ہے اور تو کیا جانے کہ شب قدر کیا ہے۔ شب قدر ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔ فرشتے اور جبریل امین اس میں اپنے رب کے اذن سے ہر حکم لے کر اترتے ہیں۔ یہ رات طلوع فجر تک سراسر سلامتی ہے۔“ [۹۷، ۵۰-۱]
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شب قدر کو رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔ [صحیح بخاری]

میاں محمد جمیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ
”شب قدر کے بارے میں رسول معظم ﷺ نے دو ٹوک الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے کہ یہ رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں سے کسی ایک رات میں آیا کرتی ہے، جس رات کے بارے میں آپ ﷺ نے لیلۃ القدر کی نشان دہی فرمائی اس کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک کا خیال ہے کہ وہ ۲۷ ویں رات تھی، جب کہ دوسرے صحابی کہتے ہیں کہ وہ ۲۱ ویں رات ہے۔ اس طرح پانچ راتوں کے بارے میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خیالات پائے جاتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد آنے والے لوگوں کی غالب اکثریت کا نقطہ نظر یہ ہے کہ وہ پانچ راتوں سے کوئی ایک رات ہوتی ہے۔ آپ ﷺ کے واضح فرمان اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتماعی نقطہ نظر کے باوجود کچھ علماء اس بات پر مصر ہیں کہ وہ ہر صورت میں ۲۷ ویں رات ہے۔ یہ ایسی زیادتی

علوم عربیہ کی عظیم قدیمی درس گاہ

دارالحدیث اوکاڑا

سن تاسیس 1954ء

زیر اہتمام: انجمن اہلحدیث رجسٹرڈ اوکاڑا

بانیان

استاذ الاساتذہ حضرت مولانا عبدالجبار سلفی کھنڈیلوی رحمہ اللہ، مولانا قاضی محمد رمضان رحمہ اللہ، مولانا عبدالعزیز رحمہ اللہ اور ان کے رفقاء، موجودہ صدر الحاج انوار الحق اور میاں محمد زمان خازن۔

شعبہ جات

شعبہ کتب درس نظامی چھ سالہ کورس، شعبہ تحفیز القرآن مع التجوید، سببہ عشرہ قاری کی نئی تقریری، شعبہ درالافتاء، ترجمہ کلاس، کمپیوٹر کلاس، فری ہو میوڈ سنسری۔ مڈل پاس طلبہ کے لیے میٹرک، ایف اے تک عصری تعلیم، دینی، دنیوی تعلیم کا حسین امتزاج۔

خصوصیات

مولانا عبدالرشید راشد، شیخ الحدیث کی سرپرستی میں قابل ترین اساتذہ، بخاری پڑھنے والے طلبہ کو نقد ماہانہ وظیفہ، مطالعہ کی پابندی، نماز باجماعت کی تلقین، بہتر تربیت، پرسکون ماحول، اعلیٰ خوراک و رہائش، علاج معالجہ کی فری سہولت۔

داخلہ

اپنے اور دوست و احباب کے بچوں کو حفظ قرآن و دین و دنیوی تعلیم کے لیے جلد داخل کروائیں۔ والدین سرپرست کا ساتھ آنا لازمی ہے۔ تمام کلاسوں میں داخلہ ہو سکے گا۔ ان شاء اللہ۔ ادارہ کے سالانہ اخراجات مستحق لاکھ روپے سے زائد ہیں، ذکوۃ و صدقات، عشر، قربانی کی کھالوں سے بھر پور تعاون کر کے عند اللہ ماجور ہوں۔
ادارہ کا اکاؤنٹ نمبر 1-2518 مسلم کمرشل بینک راوی روڈ اوکاڑا۔

الداعی الی الخیر: عبداللہ یوسف ناظم دارالحدیث ساہیوال روڈ اوکاڑا

044-2521460 0312-4403173

جام پور میں سیلاب کی تباہ کاریاں

فوری تعاون کی خصوصی اپیل

احبابِ گرامی!

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

ملک کے دیگر حصوں کی طرح جام پور بھی بری طرح متاثر ہوا ہے۔ دریائے سندھ کے پانی کا بڑا ریلہ شہر جام پور کے عین سامنے سے حفاظتی بند توڑتا ہوا آنا فانا شہر میں داخل ہو گیا۔ اہلیانِ جام پور اپنے بچوں اور گھر والوں کو لے کر جدھر منہ آیا نکل پڑے۔ گھر، دکانیں اور جملہ اثاثے چھوڑ گئے جو سب تباہ و برباد ہو گئے۔ اس تحریر تک جام پور کا بڑا حصہ زیرِ آب ہے۔ اور چار سے آٹھ فٹ تک پانی میں ڈوبا ہوا ہے۔

اپیل:

تمام مخیر احباب کی خدمت میں پر زور اپیل ہے کہ مصیبت کی اس المناک گھڑی میں متاثرین سیلاب کی فوری اور بھرپور مالی مدد کریں۔ کھانے پینے کا سامان تو حکومت پنجاب اور مخیر حضرات پہنچا رہے ہیں۔ جن کے مکان گر گئے ہیں اور ان کے سر چھپانے کی جگہ نہیں۔ ان کو سر چھپانے کے لیے سہارے کی اشد ضرورت ہے اس لیے اہل خیر مالی اعانت بھجوائیں تاکہ مستحق اور غریب و بے گھر افراد کی مالی مدد کی جاسکے۔

امید ہے مخیر اور صاحب مال حضرات فوری توجہ فرمائیں گے۔

محمد یسین راہی مدیر ادارہ تبلیغ اسلام جام پور ضلع راجن پور پنجاب پاکستان۔ 0333-8556473

بذریعہ بینک: اکاؤنٹ نمبر 03-1107-00166008

حبیب بینک جام پور، بنام ادارہ تبلیغ اسلام۔ جام پور

بچوں کو قرآن کریم کی عربی زبان کیسے سکھائیں؟

محمد بشیر پرنسپل (معهد اللغة العربية، اسلام آباد)

زینوں پر جن اصولوں کو سیکھے وہ انہیں مکمل طور پر سمجھتا ہو اور اپنی پوری زندگی میں ان کا اطلاق کرنے کے قابل ہو۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے کہ عرب لوگ دوطرح کے ہوتے ہیں، ایک وہ جو جدی پشتی عرب ہوتے ہیں خواہ وہ مسلمان ہوں یا کسی دوسرے دین کے پیروکار۔ دوسرے مسلمان لوگ جو اسلامی احکام پر عمل کرتے ہیں، وہ بھی عرب ہوتے ہیں۔ کئی دوسرے ائمہ نے بھی اس امر کی تصریح کی ہے۔

ہر مسلمان بچہ عربی ہوتا ہے!

اس حقیقت کے فہم اور تائید کے لئے جب ہم مسلمان بچے کی ابتدائی تعلیم و تربیت کی صورت اور اس کی مرحلہ وار ترقی پر غور کرتے ہیں، تو ہم دیکھتے ہیں کہ شریعت اسلام نے نو مولود بچوں کی اسلامی تعلیم اور انہیں عربی زبان کی عملی تربیت دینے کی ایسی عمدہ اور پختہ منصوبہ بندی کی ہے، جس کے نتیجے میں ہر مسلمان بچہ حقیقتاً یا بالقوۃ عربی ہوتا ہے۔ آئیے شریعت اسلامیہ کی اس تدبیر اور حکمت کے چند مظاہر پر نظر ڈالیں۔

پہلا کورس، ماں کی گود کا تعلیمی کورس

ہر مسلمان بچے پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی یہ ایک عظیم نعمت ہوتی ہے کہ جب پیدا ہوتا ہے تو اسے دنیا کی پہلی خوراک ”گھڑتی“ کھلانے سے پہلے اس کے دائیں کان میں اللہ تعالیٰ کی توحید، خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور دعوت اسلام پر مشتمل عربی اذان پڑھی جاتی ہے، اور دوسرے کان میں اقامت۔ یوں مسلمان بچے کی پیدائش کے اول روز سے ہی اس کی اسلامی اور عربی تعلیم و تربیت کا عمدہ آغاز ہوتا ہے۔ پھر جب وہ ایک ڈیڑھ سال بعد بولنے لگتا ہے تو اسے سب سے

میرا آج کا موضوع یہ ہے کہ اپنی عظیم اسلامی درسگاہوں میں کمن بچوں کو قرآن کریم کی تدریس کے دوران عربی زبان کیسے پڑھائیں؟ اس سے قبل میں اپنے دو مضامین میں سورہ فاتحہ اور پھر سورہ بقرہ کے پہلے رکوع کی تدریس کے دوران عربی زبان کی تعلیم و تربیت پر مثالوں سمیت لکھ چکا ہوں۔ ان مضامین کا تعلق اسلامی مدارس کے درجہ اولیٰ اور بعد کے ان درجات سے تھا جس میں ان کے سب سے پہلے اور اہم مضمون ترجمۃ القرآن الکریم کی تدریس ہوتی ہے۔ میری رائے میں اس کا یہ نام اور طریقہ تدریس دونوں قابل اصلاح ہیں۔ اس کا صحیح نام تدریس القرآن الکریم یا تعلیم القرآن الکریم ہونا چاہیے اور اس کی تدریس کے دوران قرآن وحدیث کی آسان عربی زبان کے بولنے اور لکھنے کی مشق اور تربیت (زبانی اور تحریری دونوں طرح) کرائی جائے، جس کے ۵۰ درجے ہوں اور ترجمہ کرنے کے صرف ۲۰ درجے ہوں۔

آج کے موضوع کا تعلق ان کمن بچوں کی تعلیم و تربیت سے ہے جو قاعدہ یسرنا القرآن یا ناظرہ قرآن کریم پڑھتے ہوں یا شعبۂ تحفیز القرآن الکریم یا کسی پرائمری یا مڈل سکول کے طالب علم ہوں، یا بڑی عمر کے ایسے شہری ہوں جو بنیادی عربی زبان سیکھنے کے خواہشمند ہوں۔

اس موضوع پر بات کرنے سے قبل یہ ضروری ہے کہ ہم پہلے اپنے عزیز بچوں کی تعلیمی پوزیشن، ان کی ابتدائی درسگاہ کے ماحول اور تعلیم و تربیت کے ان پروگراموں اور اصولوں پر روشنی ڈالیں جن کے مطابق ان کی ابتدائی نشوونما ہوتی رہی ہے۔ اور پھر انہی اصولوں اور پروگراموں کی اساس پر مستقبل میں بچوں کی مزید ترقی اور بہتر تعلیم و تربیت کا خاکہ بنائیں، کیونکہ ایک کامیاب طالب علم وہ ہوتا ہے جو اپنی تعلیم کے ابتدائی

کریم کی تجوید و قراءت کورس میں داخلہ لیتے ہیں اور وہ ائمہ سلف اور معروف قراء سے مروی قراءت و تجوید کے قواعد کے مطابق آیات کریمہ کی تلاوت کی مشق کرتے ہیں اور اساتذہ سے تربیت لیتے ہیں۔

یوں مسلمان بچے اپنی پیدائش کے اول روز سے لے کر سات، آٹھ یا دس گیارہ سال اور کبھی بارہ تیرہ سال تک اپنی زندگی عربی قرآن کریم اور عربی اسلامی تربیت کے سائے میں گزارتے ہیں۔ تو ان کے ذہنوں اور حافظے میں قرآنی الفاظ، مرکبات، محاورے اور جملے اور پوری پوری آیات پختہ اور محفوظ ہو جاتی ہیں۔ نیز ان کی آنکھوں میں قرآنی الفاظ اور جملوں کی کتابت کی شکلیں مرتسم ہو جاتی ہیں اور وہ انہیں بوقت ضرورت نہایت آسانی سے لکھنے، پڑھنے اور بولنے کی قدرت و مہارت حاصل کر لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ رسول عربی ﷺ سے مروی نماز کے تمام اذکار، اذان، اقامت اور زندگی کے دیگر مواقع پر پڑھی جانے والی دعاؤں اور اذکار کو بھی زبانی یاد کر لیتے ہیں۔ اس طرح یہ مسلمان بچے اس عرصے میں تمیں پاروں پر مشتمل قرآن کریم کی فصیح و بلیغ اور متفح عربی لغت کے عظیم اور وسیع ذخیرے سے اچھی طرح واقف اور مانوس ہو جاتے ہیں، بلکہ وہ افصح العرب سیدنا محمد ﷺ کی نہایت جامع اور بلیغ دعاؤں اور اذکار کے ایک اچھے ذخیرے کو بھی یاد کر لیتے ہیں۔

کیا مسلمان بچہ عربی کی طرح کسی دوسری زبان کو سیکھتا اور جانتا ہے؟
یہ قرآن کریم، اسلامی تعلیم اور عربی زبان و ادب کے ان کورسز کا مختصر تذکرہ ہے۔ جنہیں ہر مسلمان بچہ اپنی عمر کے روز اول سے لے کر دس گیارہ سال تک بڑے شوق اور محنت سے سنتا، پڑھتا اور یاد کرتا ہے۔ پھر اس کے والدین اور معلمین جس محنت، توجہ اور شوق سے اسے یہ تعلیم و تربیت دیتے ہیں، اسے بھی سامنے رکھیں۔ یوں ہر مسلمان بچہ قرآن کریم اور حدیث شریف کی معیاری اور اعلیٰ عربی لغت کا عظیم ذخیرہ یاد کرتا رہتا ہے۔ بلکہ وہ اسلام اور عربی لغت کے اس عظیم علمی و تعلیمی ذخیرہ کو طویل عرصہ تک سینکڑوں بلکہ ہزاروں بار سنتا، پڑھتا اور دہراتا ہے کہ یہ عربی حروف، الفاظ، جملے، عبارتیں اور سورتیں اس کے دل و دماغ اور

پہلے لفظ اللہ اور بسم اللہ بولنے کی تربیت اور مشق کرائی جاتی ہے۔ پھر وہ امی، ابویا بابا اور ماما وغیرہ بولنا سیکھتا ہے۔ بعد ازاں جب وہ کچھ لمبے الفاظ بولنے لگتا ہے تو اسے لا الہ اور لا الہ الا اللہ وغیرہ بولنے کی مشق کرائی جاتی ہے۔ اور اس طرح مسلمان گھرانوں میں بچے کی اسلامی و عربی تعلیم و تربیت کا یہ مبارک سلسلہ چلتا رہتا ہے۔

دوسرا کورس، قاعدہ میرنا القرآن کورس:

پھر جب بچہ تین چار سال کا ہوتا ہے تو وہ قریبی مسجد، مدرسے یا محلے کے کسی گھر میں القاعدۃ البغدادیۃ، قاعدہ میرنا القرآن یا نورانی قاعدہ پڑھنے لگتا ہے۔ وہ اس تمہیدی قاعدے کو بالعموم ایک یا دو سال مسلسل محنت سے پڑھتا رہتا ہے، اور عربی زبان کے تمام حروف کی الگ الگ پہچان، ان کی مفرد اور مرکب شکلوں کی پہچان اور خواندگی سیکھتا ہے اور ان کے استعمالات کی مشق کرتے ہوئے قرآن کریم کے تمام الفاظ، ترکیبات، جملوں اور آیات کی قراءت سیکھتا ہے۔ نیز ان تمام حروف کے مخارج اور مدات کی اقسام، نیز وصل اور وقف کے قواعد کی تعلیم پاتا ہے۔

تیسرا کورس، ناظرہ قرآن کریم:

اس تمہیدی قاعدے کو مکمل کرنے کے بعد یہ خوش نصیب بچے قراءت و تلاوت کے انہی اصولوں اور قاعدوں کے مطابق اب قرآن کریم کی تلاوت کی تربیت کا نیا کورس شروع کرتے ہیں، جسے ناظرہ قرآن کریم کورس کہا جاتا ہے۔ اس میں کتاب اللہ کو شروع سے لے کر آخر تک سبقاً سبقاً پڑھایا جاتا ہے۔ یہ کورس ڈیڑھ دو سال تک جاری رہتا ہے۔ اس دوران وہ قرآن کریم کی آسان، سلیس اور شیریں عربی زبان پر مشتمل اللہ تعالیٰ کے ارشادات اور آیات کو بار بار اور تکرار سے پڑھتا ہے۔

چوتھا کورس، حفظ قرآن کریم کورس یا قراءت قرآن کریم کورس:

بعد ازاں کچھ خوش نصیب بچے شعبۂ تحفیظ القرآن الکریم میں داخلہ لیتے ہیں اور قرآن کریم کو شروع سے لے کر آخر تک زبانی یاد کرتے ہیں اور وہ صبح شام اور دن رات قرآن کریم کی عبارتوں اور سورتوں کو میسوں یا سینکڑوں بار پڑھتے اور دہراتے ہیں۔ اس کورس کو مکمل کرنے کے لئے وہ عموماً دو یا تین سال مسلسل پڑھتے رہتے ہیں جب کہ کئی دوسرے خوش نصیب بچے قرآن

ہر انسان کو اس کی ماں فطرت پر جنتی ہے، بعد میں اس کے والدین اسے یہودی، عیسائی یا مجوسی بناتے ہیں۔ اگر وہ دونوں مسلمان ہوں گے تو بچہ مسلمان رہے گا۔

اس دین فطرت میں عربی زبان بھی شامل ہے، کیونکہ اسلام اور عربی زبان کے مابین لازم و ملزوم کا رشتہ ہے۔ اس لیے ہم اپنی درس گاہوں کو المدارس العربیہ یعنی اسلامی مدارس کہتے ہیں اور عرف عام میں بھی اس سے مراد دین اسلام ہی ہوتا ہے، عام مسلمان کہتے ہیں کہ ہمارے بچے عربی پڑھ رہے ہیں یعنی اسلامی و عربی تعلیم۔

قرآن کریم کی عربی زبان خصوصیت سے زیادہ آسان ہے:

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ایک صفت یہ ہے لا یكلف اللہ نفساً الا وسعہا اسی صفت کے مطابق اس باب میں اس کی ایک عظیم نعمت کا ذکر کرنا یہاں بہت ضروری اور مفید ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی حکمت و رحمت کے مطابق اس کائنات کی ہدایت اور بھلائی کی خاطر اپنی آخری کتاب قرآن حکیم کو عربی زبان میں نازل فرمایا ہے، اور پھر اسے عام فہم اور سہل اسلوب میں بیان کیا ہے تاکہ اسے عوام و خواص، شہری و دیہاتی، خواندہ و ناخواندہ تمام انسان، نیز عرب و عجم سبھی لوگ پڑھ سکیں اور اس کے ارشادات اور احکام کو بآسانی سمجھتے ہوئے ان پر عمل کر سکیں۔ چنانچہ قرآن حکیم کی عربی زبان کے الفاظ، ترکیبیں، محاورے اور جملے آسان اور چھوٹے چھوٹے ہیں اور ان کے مضامین اور مطالب بھی عموماً مختصر، سہل اور اتنے عام فہم ہیں کہ چھوٹی عمر کے بچے بھی انہیں بآسانی پڑھ کر ذہن نشین کر لیتے ہیں۔ یہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی اس آخری امت پر عظیم نعمت اور شفقت ہے۔ اپنی اس عظیم نعمت کو اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کے ایک درجن سے زیادہ مقامات پر بیان کیا ہے۔ صرف سورہ القمر میں چار بار اس آیت کریمہ کو دہراتے ہوئے اس سے پند و موعظت لینے کی دعوت دی گئی ہے:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ﴾

”یقیناً ہم نے قرآن کو نہایت آسان بنا دیا ہے، کیا کوئی اس سے نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟“

عقل و فکر میں رچ بس جاتے ہیں۔ بحث کو مزید واضح کرنے کی غرض سے یہاں اس کے درج ذیل تین پہلوؤں پر توجہ دی جائے۔

اول: یہ کہ ہمارے مسلمان بچے مذکورہ بالا کورسوں میں جس عربی لغت کو پڑھتے، صبح شام دہراتے اور حفظ کرتے ہیں، وہ قرآن کریم کی آیات کریمہ اور رسول عربی ﷺ کی مبارک احادیث کا عمدہ انتخاب ہوتا ہے۔ جس کا منبع وحی الہی ہے۔ اس لیے یہ عام سطح کی عربی زبان نہیں ہوتی بلکہ اعلیٰ درجے کی شستہ اور سلیس زبان (Refined language) اور انچی اور معیاری لغت (Classical vocabulary) ہوتی ہے۔ اگر اسے صحیح طور پر سکھایا جائے تو وہ بچوں کی اعلیٰ علمی و ادبی صلاحیت اور بلند فکر و نظر کی ضامن بن سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ہمارے یہ کم عمر بچے اس بلند سطح کی کسی دوسری زبان، خواہ وہ ان کی مادری زبان ہو، مثلاً اردو، انگریزی اور پشتو وغیرہ کا مطالعہ تو نہیں کرتے۔

دوم: قرآن کریم اور احادیث نبویہ کی تدریس کے ان کورسوں میں مسلمان بچے جس وسیع و عریض عربی ادب اور عظیم ذخیرہ لغت سے آگاہ ہوتے ہیں، اس کی کوئی اور مثال نہیں ملتی، خصوصاً بچوں کی کم سنی میں۔

سوم: مسلمان بچے اس عظیم دینی اور فکری سرمایہ اور عظیم ذخیرہ لغت کو جس پابندی اور تسلسل سے بچپن میں، اپنی جوانی میں اور آخری عمر تک اور عمر کے آخری دن تک، دہراتے، تلاوت کرتے اور یاد کرتے ہیں اس کی کوئی اور مثال بھی شاید نہ مل سکے۔ واللہ اعلم و علمہ اتم

اب یہ حقیقت بالکل واضح ہے کہ شریعت اسلامیہ نے ہر مسلمان کے لیے اس کی پیدائش کے دن سے لے کر اس کی پوری زندگی اور آخری دن تک تمام عبادات، اذکار، تعلیم و تربیت، معیشت و سیاست اور تلقین وغیرہ سب کی زبان عربی ہی رکھی ہے۔ اس لیے عربی زبان دین اسلام کا عظیم شعار ہے اور اس دین فطرت کا جزو ہے جس کی تشریح ہمارے رسول عربی ﷺ نے یوں فرمائی ہے۔

كل إنسان تلده أمه على الفطرة وأبواه بعد

يهودانه أو ينصرانه أو يمجسانه. فان كانا

مسلمین فمسلم. [صحیح مسلم ۶۷۶۱]

مدارس میں مزید اعلیٰ تعلیم و تربیت حاصل کرنے کے لیے آتے ہیں۔ اب ہم نے ان کی آئندہ تعلیم و تربیت کی منصوبہ بندی کرنی ہے۔ آئیے پہلے ہم ان کا مفصل جائزہ لیں اور دیکھیں کہ تعلیم کے ان ابتدائی زینوں میں وہ کن امور یا پہلوؤں میں اچھی مہارت حاصل کر لیتے ہیں؟ اور کن کن امور میں پسماندہ رہتے ہیں؟ اور اس کے اسباب کیا ہیں؟ اور ان کا ازالہ کیسے کیا جائے؟ ان سوالات کا صحیح جائزہ لینے کے بعد ہمیں مستقبل میں ان کی بہتر تعلیم و تربیت کی منصوبہ بندی کرنا ہوگی۔ یہاں ان کی تعلیم و تربیت کے مثبت اور منفی پہلوؤں کا مختصر جائزہ پیش خدمت ہے۔

مثبت پہلو

- ①.....عربی حروف کے مختلف استعمالات کی پہچان۔
- ②.....عربی الفاظ کے ہجوں کی پہچان (Spelling) میں مکمل اور اعلیٰ مہارت۔
- ③.....عربی حروف کے مخارج کی تعلیم اور مشق۔
- ④.....قرآن کریم کی قراءت کے ضروری قاعدوں کی تعلیم اور عملی مشق۔
- ⑤.....منتخب سورتوں کا حفظ۔
- ⑥.....مکمل قرآن کریم کا حفظ۔
- ⑦.....منتخب مسنون دعاؤں اور اذکار کا حفظ۔
- ⑧.....اسلام کے دونوں بنیادی ارکان (۱) شہادتین اور (۲) نماز کی مکمل تعلیم اور عملی مشق۔
- ⑨.....بنیادی اسلامی آداب کی تعلیم و تربیت۔
- ⑩.....عربی زبان کے وسیع ذخیرہ لغت کی سالوں تک زبانی قراءت۔
- ⑪.....عربی زبان کے وسیع ذخیرہ لغت کا حفظ اور دہرائی۔
- ⑫.....عربی زبان کے وسیع ذخیرہ لغت کی سماعت مسلسل کرتے ہیں۔

منفی پہلو:

- ①.....عربی زبان کے اس ذخیرہ لغت کا فہم بہت کم حاصل ہوتا ہے۔
- ②.....عربی الفاظ اور جملوں کو مسلسل پڑھنے اور سننے کے باوجود ان کے استعمال سے یکسر ناواقف رہتے ہیں۔
- ③.....عربی الفاظ اور جملوں کو مسلسل پڑھنے اور سننے کے باوجود

قرآن حکیم کی اس آسان زبان اور آسان اسلوب کی طرح خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کی حدیث شریف کی عربی زبان اور اسلوب بھی اس قرآنی زبان و اسلوب کا عکس ہونے کی بنا پر نہایت آسان اور عام فہم ہے۔ نیز کتاب و سنت کی اس سہل زبان اور سہل اسلوب کی طرح عام اسلامی لٹریچر پر بھی یہی رنگ غالب ہے کیونکہ صحابہ کرام، تبع تابعین، سلف صالحین اور ائمہ مجتہدین اسی قرآنی نور سے منور ہیں۔ بلکہ امت کے اکثر علماء، ادباء، فقہاء اور خطباء کا کلام اسی قرآنی و نبوی زبان و اسلوب میں رنگا ہوا ہے۔ فالحمد لله علی ذلک

پھر خصوصیت سے ہمارے اس علاقے کے لوگوں کیلئے جوار دو اور فارسی وغیرہ ایسی زبانوں کو جانتے ہیں جو عربی رسم الخط میں لکھی جاتی ہیں اور ان میں عربی الفاظ اور ترکیبات کی بہت بڑی مقدار پائی جاتی ہے، عربی اور بھی زیادہ آسان ہو جاتی ہے۔ ہماری قومی زبان اردو میں مستعمل عربی الفاظ، محاوروں، روزمرہ اور مرکبات کا تناسب تقریباً چالیس فیصد سے زیادہ ہے۔

اسی طرح ہمارے علاقے اور خطے کی دوسری زبانوں مثلاً فارسی، سندھی، پشتو اور پنجابی اور کشمیری وغیرہ میں بھی عربی الفاظ، ترکیبات اور محاوروں کی بہت بڑی تعداد پائی جاتی ہے۔

مستحکم بنیاد اور پختہ منصوبہ:

اوپر میں نے مسلمان بچوں کی اسلامی و عربی تعلیم و تربیت کے بارے جن حقائق کا ذکر کیا ہے وہ ایسا امر واقع ہیں جن پر ہر باشعور مسلمان خواہ وہ شہری ہو یا دیہاتی خوشی خوشی عمل کرتا ہے اور تمام اسلامی ممالک کے بچے ان سے مستفید ہوتے ہیں۔ اس پروگرام پر غور و فکر اور تجزیہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شریعت اسلامیہ نے ہمارے نسلوں کی ابتدائی سطح کی اسلامی اور لسانی تربیت کا مکمل اور دائمی منصوبہ خود بنایا ہوا ہے جس کی بنیاد صحیح عقیدہ توحید اور اعلیٰ اصولوں پر رکھی گئی ہے، اور مسلمان اسے نافذ کرنے کے پابند ہیں اور وہ واقعتاً اس پر برضا و رغبت عمل کرتے ہیں۔ والحمد لله علی ذلک

بہر حال یہ اس مستحکم بنیاد پر قائم پختہ تعلیمی و تربیتی منصوبے کا خلاصہ ہے جسے مکمل کرتے ہوئے ہمارے یہ عزیز اور انمول بچے ہمارے اسلامی

انہیں لکھنے کی قدرت نہیں ہوتی۔

خلاصہ یہ ہے:

ہمارے یہ عزیز بچے قرآن کریم اور حدیث کی اعلیٰ اور معیاری عربی زبان کو طویل مدت تک پڑھتے ہوئے:

①..... اسلامی عقیدے، نماز ادا کرنے اور آداب کی اچھی تربیت حاصل کرتے ہیں۔

②..... عربی کے وسیع ذخیرے کو پڑھنے کی تربیت پاتے ہیں۔

③..... اس کے ایک بڑے حصے کو زبانی یاد کرتے ہیں۔

④..... اور اسے سننے کی صلاحیت حاصل کرتے ہیں۔

لیکن.....!

①..... اس وسیع ذخیرہ لغت کے فہم سے قاصر رہتے ہیں۔

②..... اپنی بول چال میں ابتدائی عربی کے استعمال پر قادر نہیں ہوتے۔

③..... وہ عربی زبان کو لکھنے سے یکسر قاصر ہوتے ہیں۔

بنیادی نقص:

قرآن کریم اور حدیث شریف کے ان ابتدائی کورسوں کی تدریس کے دوران ہمارے بچے وسیع علم اور تربیت حاصل کرتے ہیں اور بہت سی تعلیمی مہارتوں کو خوب سیکھ لیتے ہیں۔ لیکن اس وسیع تعلیم و تربیت میں صرف ایک بنیادی نقص رہ جاتا ہے اور وہ یہ کہ ابتدائی عربی زبان کے فہم اور اسے بولنے اور لکھنے کی مشق اور تربیت سے بالکل محروم رہتے ہیں۔ فن تعلیم کے مطابق اصولی طور پر انہیں دوسری تعلیمی مہارتوں کے ساتھ ساتھ ان تینوں امور یعنی (۱) ابتدائی عربی زبان کے فہم، (۲) لکھنے، (۳) بولنے میں بھی اچھی صلاحیت پیدا کرنے کا اہتمام ضروری ہوتا ہے۔

تفصیل: مسلمان بچوں کی اسلامی تعلیم و تربیت کے اس بنیادی نقص اور بیماری کو معمولی سمجھ کر نظر انداز نہ کیا جائے۔ کیوں کہ اگر یہ نقص چند سال اور جاری رہا تو یہ ان کی اچھی اور متوازن شخصیت کی تعمیر و ترقی میں حائل رہے گا۔ اور ان کی کئی صلاحیتوں کو جامد کرتے ہوئے انہیں ہمیشہ کے لیے احساس کمتری میں مبتلا کر دے گا۔ اور وہ کبھی بھی ان شعبوں میں ترقی نہ کر سکیں گے۔

عربی زبان بولنے اور لکھنے کی تربیت دینے کا سنہری موقع:

جیسا کہ میں پہلے تفصیل سے بیان کر چکا ہوں اس تعلیمی مرحلے پر پہنچنے تک مسلمان بچے قرآن کریم کی مبارک زبان کی اچھی تعلیم و تربیت حاصل کر چکے ہوتے ہیں۔ اور وہ کچھ اور محنت کر کے اسے بولنے اور لکھنے کی مہارت بھی حاصل کر سکتے ہیں اور وہ اس بات کا شوق بھی رکھتے ہیں اور اہلیت بھی۔ پھر ان کے پاس مناسب وقت بھی ہوتا ہے۔ اس لئے یہ انہیں عربی زبان پڑھنے، بولنے اور لکھنے کی معیاری تعلیم و تربیت دینے کا سنہری موقع ہوتا ہے۔ لہذا ہماری درس گاہوں اور مساجد کو اس موقع سے استفادہ کرنا چاہیے۔

حل اور علاج:

اس کی آسان صورت یہ ہو سکتی ہے کہ نورانی قاعدہ یا قاعدہ یسرنا القرآن کی تکمیل کے بعد جو ناظرہ قرآن کورس پڑھایا جاتا ہے اس کے آخری سال یا آخری ششماہی میں بچوں کو ہر سبق کے آخر میں روزانہ صرف پانچ یا دس منٹ ابتدائی عربی زبان کے عربی میڈیم کورس کی عملی مشق کرائی جائے تو وہ آسانی اور خوشی سے ابتدائی عربی زبان بولنے اور لکھنے لگیں گے جس سے ان کے اس نقص کا ازالہ ہوگا اور وہ ابتدائی عربی زبان کے فہم اور استعمال میں مناسب مہارت حاصل کر لیں گے جو آئندہ تعلیمی درجات میں ان کی مزید ترقی اور مہارت کا ذریعہ بنے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اسی طرح یہی عملی کورس اور مشق شعبہ تحفیز القرآن الکریم کے بچوں کو بھی مکمل کرایا جائے۔ ننھے بچوں کے لیے عربی میڈیم کورس کی تفصیل آئندہ کبھی ذکر کی جائے گی۔



قاری عبدالرحیم کلیم کے والد کی وفات

مولانا قاری عبدالرحیم کلیم (مدیر مرکز التوحید ڈی جی خان) کے والد محترم میاں محمد یوسف ۵/رمضان المبارک بروز پیر وفات پا گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون..... احباب جماعت سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔ مرحوم نیک سیرت اور درویش طبع آدمی تھے۔ ان کی نماز جنازہ میں کثیر احباب نے شرکت کی۔ [عبدالرحیم اظہر الکریمی۔ ڈی جی خان]

اعلان داخلہ مدت کویرس ایک سال

جمعية احياء التراث الاسلامي كويت کے زیر اہتمام

جامعہ سلفیہ فیصل آباد

معهد لاعداد الدعاة والائمة والخطباء کا دوسرا سال

قابل ترین اساتذہ اور ماہرین تعلیم کی زیر نگرانی

چند خصوصیات

- ✽ اعلیٰ تعلیم کے ساتھ عملی تربیت
- ✽ قومی اور بین الاقوامی حالات سے مکمل آگاہی
- ✽ تقریر کے ساتھ تحریر کی مہارت اور تربیت
- ✽ عربی زبان (بول چال) پر خصوصی توجہ
- ✽ تزکیہ، احسان اور کردار سازی پر خصوصی توجہ
- ✽ کتاب و سنت پر مبنی اعلیٰ نصاب تعلیم
- ✽ ہم نصابی سرگرمیوں میں بھرپور شرکت
- ✽ مطالعہ کتب اور تحقیق و جستجو کی ترغیب
- ✽ دعوت و خطابت کی خصوصی تمرین
- ✽ ماہانہ معقول وظیفہ
- ✽ خور و نوش کے ساتھ پرسکون رہائش

شرائط داخلہ

- 1- وفاق المدارس السلفیہ سے الشہادۃ العالمیہ کے حاملین
- 2- شہادۃ حسن السیرۃ والسلوک
- 3- ممتاز علماء سے شخصی تزکیہ (ایک عدد)
- درخواست دینے کی آخری تاریخ 20 ستمبر 2010
- سادہ کاغذ پر درخواست اور مکمل کوائف، شناختی کارڈ کی کاپی، 2 عدد تصاویر
- داخلہ بذریعہ ٹیسٹ (تحریری و زبانی) ہوگا۔ 25 ستمبر 2010 بروز ہفتہ صبح 10:00 بجے
- نوٹ فراغت کے بعد (ڈپلومہ) سند دی جائے گی۔

محدود نشستیں

جس کی بنیاد پر جمعۃ احياء التراث الاسلامي كويت کی جانب سے تعیناتی کا روشن امکان۔ ان شاء اللہ

041 8780274
8780374

میاں نعیم الرحمن طاہر صدر جامعہ سلفیہ فیصل آباد

(الرسمی الخبر)

دوسرا رخ

آؤ بھائی سیر کرائیں تم کو پاکستان کی
جس کی خاطر ہم نے دی قربانی لاکھوں جان کی
پاکستان زندہ باد ، پاکستان زندہ باد



جہاں گوالے شام، صبح پانی میں دودھ ملاتے ہیں
جہاں کے بابو ہر لمحہ رشوت سے کام چلاتے ہیں
اور تجارت پیشہ ہر ہفتے میں دام بڑھاتے ہیں
جہاں پہ پوجا ہوتی ہے اب دولت کے بھگوان کی
اس کی خاطر ہم نے دی قربانی لاکھوں جان کی؟



جہاں کی بیٹی فیشن شاپنگ آؤٹنگ کی دلدادہ ہے
اور جواں بھی فلم سموکنگ، میک اپ کا شہزادہ ہے
بچہ بچہ غیر ممالک جانے پر آمادہ ہے
جہاں پر ہر شے ہونی چاہیے یورپ اور جاپان کی
اس کی خاطر ہم نے دی قربانی لاکھوں جان کی؟

[پروفیسر عبداللہ شاہین]